DAMAGE BOOK

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222118
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۴۳۳۳ Accession No. ۶۶۲۸

Author مرزا محمد اشرف ا - ب

Title بن باسی رستم

This book should be returned on or before the date last marked below.

جملہ حقوق محفوظ

بن باسی رستم

یعنی

سانپ اور نیولے کی لڑائی

جسے

مولوی مرزا محمد اشرف صاحب گورگانی دہلوی

مشیر تصریفات ریاست [illegible]پور نے

حسب فرمائش

مولوی سید ممتاز علی صاحب تصنیف کیا

سنہ ۱۹۲۰ء

باہتمام بابو غلام قادر سیمی پرنٹر

یونی ورسل پریس لاہور میں چھاپی گئی

دیباچہ

مسٹر کپلنگ کے نام سے ہمارے ملک کے اکثر تعلیم یافتہ نوجوان واقف ہونگے۔ اُن کی بے مثل کتاب جنگل بُک نے مطبع سے نکلتے ہی تمام امریکہ کو مسخر کر لیا تھا۔ اور مصنف موصوف کو اس مُلک کے ہر طبقہ خلائق میں مشہور و معروف کر دیا۔ مجھے اس کتاب کے مطالعہ سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اگر اسی انداز پر ایک کتاب اردو میں بھی لکھی جاوے۔ تو وہ ضرور بچوں میں بہت مقبول ہو اور کہانیوں کے لکھنے کا ایک نئی دلچسپ انداز شروع ہو۔ میں نے اپنے دوستوں پر نظر ڈالی۔ تو سلاست زبان اور شوخی بیان اور خوش طبعی مزاج کے لحاظ سے اپنے دوست مولوی مرزا محمد اشرف صاحب گورگانی کو ایسا پایا۔ کہ جن کو اس کام کی تکلیف دے سکتا چنانچہ میں نے انہیں یہ تکلیف دی۔ اور میں آج بہت خوش ہوں۔ کہ میرا انتخاب نہایت درست نکلا ؎

میرے قابل دوست نے میری امید سے بڑھ کر کام کیا۔ اور اس کہانی کو ٹھیک ایسے انداز میں لکھا۔ جو خرد سال بچوں سے

بالکل مناسب حال ہے۔ انگریزی کتاب سے مصنف نے جو کچھ اخذ کیا ہے۔ وہ صرف قصے کا خاکہ اور نرالا ڈھنگ ہے۔ باقی اس کی تمام تفصیل ہندوستانی بچوں کے مذاق کے موافق و مناسب اپنی جودت پسند طبیعت سے خود اختراع کی ہے +

مجھ کو اس کتاب کے لکھانے سے سوائے اس کے کوئی اور مقصد نہیں کہ ہماری قوم میں پاکیزہ مذاق کا دلچسپ علم ادب پیدا ہو۔ اس میں کہیں کہیں کوئی بات نصیحت کی بھی آ گئی ہے وہ ضمن میں آئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مختصر سا قصہ پڑھنے والوں کے دلوں پر کچھ نہ کچھ اثر کئے بغیر نہ رہیگا۔ بچے پڑھینگے اور ہنسینگے ہوشیار پڑھینگے اور مسکرا دینگے۔ فلسفیوں سے ڈر لگتا ہے۔ وہ چڑیں گے اور ناک چڑھائینگے +

راقم

سید ممتاز علی

لاہور ۔ مورخہ ۲۵ ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس اُجڑے دیار شاہجہاں آباد میں اب بھی ایسے مکان موجود ہیں جو اسلام کی گزری شوکت کے شاہد ہیں جن میں ایک زمانے میں اہل دولت مغلیہ مشرقی تزک و شان کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ خود یہیں اس وقت دہلی کے گرد قبرستانوں میں پاؤں پھیلائے سو رہے ہیں لیکن اُن کی یادگاریں ابھی تک زمانے کے مہلک ہاتھ سے محفوظ ہیں۔

ایسا ہی ایک مکان تھا جس کو ایک مہاجن نے غدر میں کوڑیوں کے مول لے لیا تھا لیکن اس بھلے مانس نے اُس کی اصلی صورت میں کوئی فرق نہ آنے دیا تھا۔ باغیچہ، حوض، دیوانخانہ وغیرہ سب کچھ بدستور قائم رکھا اور چونکہ اپنی بود و باش کے لئے اس کو بڑا وسیع سمجھتا تھا۔ ایک شریف مسلمان کو معقول کرایہ پر دے رکھا تھا۔ یہ صاحب مع بیوی، ایک لڑکے ماماؤں اور نوکروں کے اس میں آرام سے رہتے تھے۔ اور چونکہ تعلیم یافتہ

آدمی تھے۔ اور علم نباتات سے خاص مذاق رکھتے تھے۔ مکان کی عام حالت
اور بالخصوص باغیچے کی سرسبزی پر بہت وقت صرف کرتے تھے۔ انگریزی
گملے چبوترے پر اور اس سے نیچے قرینے کے ساتھ گملوں میں لگا رکھے
تھے۔ دیسی پھلوں کے درخت بدستور قائم رکھے تھے۔ کھلی زمین میں موسمی
ترکاریاں بوئی تھیں جب سے نل جاری ہوئے۔ خاں صاحب نے
(یہ صاحب خاں صاحب تھے) اپنے مکان میں بھی نل لگوا لیا تھا۔
اور ایک چھوٹا سا حوض مکان کے صحن میں تھا۔ بارہ مہینے پانی سے لبالب
بھرا رہتا تھا۔ غرض مکان کی خوشنما حالت صاحب خانہ کی خوش مذاقی کی
گواہ تھی۔

اس مکان میں جیسا کہ عموماً بادشاہی مکانوں میں دیکھا گیا ہے ایک
نیولا مع اپنے قبائل کے رہتا تھا چبوترے کے نیچے اس کا بل تھا۔ اس
نیولے نے اپنی انجینیری کے زور سے سڑک تک جو مکان کے پیچھے تھی۔
اور وہاں سے نشیبی بدررو تک جو تمام محلے کے نیولوں کے واسطے جولانگاہ
تھی۔ رستہ نکال لیا تھا جس وقت یہ قصہ شروع ہوتا تھا۔ اس بدررو
باش کے خاندان میں چھ بندے تھے۔ دو میاں بیوی۔ چار بچے +

ایک روز کا ذکر ہے کہ باغیچے میں نل کھلا ہوا تھا۔ بارش کا موسم تھا۔ زمین
میں پہلے ہی نمی تھی۔ پانی کچھ بھی جذب کر سکی۔ تمام صحن میں پانی ہی

پانی ہو گیا۔ باغیچے کی ننھی پود غرقاب ہو گئی۔ اور اتنے مکان کی موری پانی کے نکالنے میں مدد دے۔ ہمارے دوست کے گھر میں پانی بڑی بے رحمی کے ساتھ گھس گیا۔ اور اس کو اور اس کی بیوی بچوں کو بھاگ کر اسی راستے لے چلا جو اس نے باہر جانے کے واسطے تیار کیا تھا۔ ایک بچہ جو اس وقت اتفاق سے بل کے منہ کے پاس بیٹھا تھا۔ پانی سے لڑتا بھڑتا باغیچے میں نکل آیا۔ اس کشمکش میں خدا جانے کتنا پانی اس کے پیٹ میں گیا۔ بہر حال ایک روش پر پہنچ کر بے ہوش ہو گیا۔ خاں صاحب نے چونکہ گھر میں بہت سی ٹونٹیاں لگا رکھی تھیں۔ میونسپل کمیٹی نے ان کو ایک کنجی دے رکھی تھی۔ جس سے پانی بند کر سکتے تھے۔ غرض انھوں نے گھر کے باہر سڑک پر سے پانی بند کرایا۔ ادھر متعدد موریوں نے پانی خالی کرنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں صحن اور باغیچے میں فقط کیچڑ ہی کیچڑ رہ گئی۔ چند لمحہ بعد بچے کو ہوش آیا۔ دیکھا کہ ساون کا سورج ہڈی تک سینک پہنچا رہا ہے۔ اس کی ماں ایک تجربہ کار بیوی تھی۔ اور اپنے بچوں کو ہر قسم کی مصیبت کا جو زندگی کے تگ و دو میں واقع ہو سکتی ہے۔ علاج بتاتی رہتی تھی۔ بچے نے جب دیکھا کہ پیٹ میں پانی اتنا ہے۔ کہ ہضم نہیں ہو سکیگا۔ ماں کی نصیحت یاد کر کے اس پر عمل کیا۔ فوراً امرود کے درخت پر چڑھا۔ اور دم اوپر سر نیچے کر کے تھوڑی دیر تک تنہ کو چمٹا رہا۔ یہاں تک کہ پانی پیٹ سے بالکل نکل گیا۔ پھر نیچے

اُترا اور اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ مگر چلنے پھرنے کی طاقت ابھی تک نہیں آئی تھی۔ درخت کے سایہ میں بیٹھ کر سو گیا +

سوتے ہی اُس کی طبیعت خراب ہوئی۔ اور ٹھنڈک نے اپنا اثر کیا یہاں تک کہ اکڑ کر رہ گیا۔ صاحب خانہ کا لڑکا جس کی عمر کوئی دس گیارہ برس کی تھی کیچڑ میں پھرتا ہوا اُدھر آنکلا۔ نیولے کو پڑا ہوا دیکھ کر سمجھا کہ مر گیا ہے اُٹھا کر ماں کے پاس لے آیا۔ ماں نے دیکھتے ہی ایک چیخ ماری۔ اور گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔ اور میاں سے مخاطب ہو کر بولیں "اجی دیکھو تو تمہارے خوشنور کیا اُٹھا لائے ہیں؟"

خاں صاحب "او سعید!"

سعید "جی"+

خاں صاحب "یہ کیا اُٹھا لایا؟"

سعید "کچھ بھی نہیں نیولے کا بچہ ہے"!

خاں صاحب "کیوں لے آیا؟"

سعید "یہ مر گیا ہے۔ اسکو کفن دیکر دفن کرونگا۔ اور ننھی سی قبر بناؤنگا"+

خاں صاحب "پھر آپ اُس کے مجاور بنو گے"؟

سعید نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور باپ کا عندیہ پاکر اسے پھینکنے چلا۔ نیولے کا بچہ اُس وقت ایسا اکڑا ہوا تھا کہ اس میں لال ناک سے لگا کر

تھا درد پر زخم کے سبب حلق ہلانے تک کی طاقت نہ تھی۔ خاں صاحب اُس بچے کو غور سے دیکھ رہے تھے کہ سعید اُن کے پاس سے ہو کر دروازے کی طرف چلا۔ اسی وقت بچے نے ایک چھینک لی۔ سعید نے ڈر کر اسے پھینک دیا۔ اور گھبرا کر کہنے لگا "ابا جان یہ تو جیتا ہے!"

خاں صاحب "جیتا ہے تو اٹھا لاؤ۔ اسے پالنا"

بیگم "اے ہے۔ ایسا غضب نہ کرنا۔ میرے بچے کو کاٹ کھائیگا تو میں کیا کرونگی"

خاں صاحب "تم تو خواہ مخواہ کا وہم کرتی ہو۔ سعید! اٹھا لا"

سعید "وہ تو سچ مچ چلنے لگا"

خاں صاحب "گردن پر سے پکڑ لو۔ پھر کچھ نہیں کہیگا۔ اور اٹھا لاؤ"

سعید اٹھا لایا اور باپ کے سامنے چھوڑ دیا۔ خانصاحب نے غور سے دیکھا اور کہا "یہ ٹھنڈک سے اکڑ گیا ہے۔ اس کو روئی میں رکھو۔ گرمائی پہنچی اور اچھا ہوا"

سعید "یہ بیچارہ ٹھٹھر گیا۔ اور کنٹوپ اُٹھا لاؤں۔ میلا پڑا ہوا ہے"

باپ کی اجازت کی راہ بھی نہ دیکھی۔ اور توشہ خانے کی کوٹھڑی میں گھس کر جلدی سے ایک پرانی روئی والی ٹوپی اٹھا لایا اور بچے کو اس میں دبکا دیا۔ تھوڑا تھرتھرایا۔ پندرہ منٹ اس میں دبکا رہا۔ روئی کی گرمی سے اٹھ بیٹھا

کھول دیئے۔ اور رستم وار بہادر نے کنٹوپ میں سے سر نکال کر ادھر اُدھر دیکھا۔ پھر ایک ڈبکی لگائی۔ دوست دشمن میں تمیز کرنے میں اگر غلطی ہوتی ہے تو انسان سے ہوتی ہے۔ حیوان نظر کو خوب پہچانتا ہے۔ نیولے نے دیکھا کہ تین آدمی اس کی طرف ہمدردی کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ایذا رسانی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ان سے متوحش نہیں ہوا۔ اور آہستہ آہستہ دالان میں پھرنے لگا۔ خاں صاحب نے ایک بوٹی دن کے بچے ہوئے سالن میں سے منگائی۔ اور سعید کے ہاتھ سے نیولے کو دلوائی۔ نیولا اس وقت بھوکا ہو رہا تھا۔ نل کے پانی سے پیٹ دھو چکا تھا۔ دونو ہاتھ میں بوٹی دبوچ کر کر کھانی شروع کی۔ اور سعید کی طرف دیکھتا رہا۔ جب کھا چکا تو اُچک کر سعید کے کندھے پر جا بیٹھا۔ اور وہاں جا کر کان کھجانے لگا۔ سعید پہلے تو ڈرا پھر یہ دیکھ کر کہ کاٹتا نہیں چُپکا اس کی سیر دیکھتا رہا۔ نیولا کندھے پر سے اُچک کر سر پر جا بیٹھا۔ اور دیر تک وہاں بیٹھا ہوا دل سے پکے ہوئے گوشت کے متعلق گفتگو کرتا رہا کہ اگرچہ گوشت بہت دفعہ کھایا ہے۔ مگر اس گوشت میں مزے کی زیادتی تھی۔ کچھ خوشبو بھی تھی۔ اور اگرچہ پیٹ بھر گیا۔ مگر کچھ پھر بھی لذیذ تھا۔ یہ آدمی بہت اچھا گوشت کھاتے ہیں۔ یہ نیولا تو گوشت کی تعریف میں مصروف تھا۔ بیگم صاحبہ نے اودھم مچا کر سارے گھر کو سر پر اٹھا لیا کہ اچھا صاحب خدا کے لیے مارو اس موذی کو میرے بچے کے سر پر بیٹھا

گیا ہے اور زبان نکال رہا ہے۔ کالا منہ ایسے کھیل کا عظیمن۔ لکڑی لے کر اس کو بھگا دے۔ خدا بری گھڑی نہ لائے۔ چار بچوں میں ایک دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نیت اس کو بھی سانپ نیولوں سے ڈسوانے کی ہے عظیمن لکڑی لا جڑیل!

خاں صاحب: "تم تو خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو۔ اتنی دیر میں اس نے کاٹا ہوتا ... کاٹ کھاتا۔ یہ جانور جب آدمی سے مانوس ہو جاتا ہے تو کاٹتا نہیں۔ اتنا ڈرتی کیوں ہو؟"

بیگم: "صاحب! ڈروں کیونکر نہیں؟ اس کی شکل ہی سے جی ڈرتا ہے دیکھو تو کیسے تیز دانت ہیں۔ کیا جلدی سے بوٹی کھا گیا۔ ابھی آدمی کی بوٹی اس طرح کھا جائے تو کیا ہو؟"

میاں: "نیولا آدمی کا گوشت نہیں کھاتا۔ اگر اتفاق سے کہیں پاؤں پڑ جائے۔ تو کاٹ کھاتا ہے مگر یہ نہیں کہ بوٹی اتار لے اور کھا جائے۔"

بیگم: "تو صاحب یہ بات تو مجھے بھاتی نہیں کہ سعید کے کندھے پر نیولا ہر وقت سوار رہے۔ بچہ ہے کسی وقت شرارت سے دم پکڑ لی۔ اس نے کاٹ کھایا۔ خدا کی ہزار بات ہے۔ خدا کے واسطے اسے چھوڑ دو۔"

میاں: "خدا کے واسطے تم چپکی ہو رہو۔"

بیگم: "تم کو میرے سر کی قسم اس کو چھوڑ دو۔"

میاں "تمہارے سر کی قسم میں اس کو پالونگا۔ اور دکھاؤنگا۔ کہ سعید سے کیسا ہل جاتا ہے۔ تم کو یہ بھی خبر ہے۔ کہ جس گھر میں نیولا ہوتا ہے۔ اُس میں سانپ نہیں آتا"؟

بیگم "ہاں! یہ تو مجھے معلوم ہے۔ مگر میری خوشی یہ ہے۔ کہ نہ یہ گھر میں ہو نہ سانپ ہو۔ دونو کا کالا مُنہ"۔

میاں "اچھا تم تین دن ٹھہر جاؤ۔ پھر اس کو چھوڑ دینگے۔ یا یہ خود بھاگ جائیگا۔ اگر نہ گیا تو یہیں گھر بنالیگا۔ اور آپ کے سعید سے بات نہیں کریگا"۔

بیگم "خیر صاحب تم جانو! مردوے کسی کی سُنا تھوڑا ہی کرتے ہیں۔ جو تم سُنو گے"۔

اتنے میں نیولا کندھے پر سے اُترا۔ اور گھر کی تلاشی لینی شروع کی تھوڑی دیر فرش پر ٹہلتا رہا جس قدر چیزیں نیچے رکھی ہوئی تھیں اُن کو سونگھتا پھرا۔ پاندان کے گرد کئی چکر لگائے۔ مگر رستہ نہ پاکر اوپر چڑھ گیا۔ بیگم صاحبہ نے دیکھ لیا۔ پاندان سے دہلی کی عورتوں کو بہت محبت ہوتی ہے۔ اُسی وقت غل مچاتی ہوتی دوڑیں "ارے او موئے! تجھے خدا کی مار۔ اجی خدا کے واسطے مارو کمبخت کو۔ کہاں کی بلا تم نے گھر میں گھسیڑ لیا۔ بیٹھے بٹھائے غم نداری بز بخر"۔

میاں "کیا ہوا؟ پاندان بند ہے۔ اس میں کیونکر جا سکتا ہے؟ خواہ مخواہ غل مچا رہی ہو"۔

سعید "ابا جان! میں اس کو پکڑ لوں؟"

باپ "یہی نہ کرنا۔ اس کو اس کی مرضی پر رہنے دو۔ پھر دیکھو کس طرح تمہارے ساتھ پڑا پھرتا ہے۔ پکڑو گے تو دوڑ کر بھاگ جائیگا"۔

نیولا اتنے عرصے میں پاندان پر سے اتر کر خاں صاحب کے کمرے میں گیا۔ پہلے کرسی پر جست کر کے چڑھ گیا۔ وہاں سے میز پر پہنچا۔ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ قلموں کو غور سے دیکھا۔ دوات کو سونگھا۔ پینے کی چیز نہ پا کر میز کے کونے پر آ بیٹھا۔ اور کان کھجانے لگا۔ پھر وہاں سے اتر کر کرسی پر آ بیٹھا۔ اور اس کو قابلِ نشست نہ پا کر نیچے اترا۔ اور کمرے کے دو چکر لگا کر غسل خانے میں گھس گیا۔ غسل خانے کی موری اس کو پسند آئی۔ اور تھوڑی دیر وہاں ٹھیر کر سو گیا۔

بیگم صاحبہ کا خوف نیولے سے آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ سعید کو ایک مشغلہ ہاتھ لگ گیا۔ ہر وقت اس کے واسطے گوشت۔ دودھ۔ روٹی پانی تیار رکھتا۔ تین دن میں نیولا اس سے ایسا مانوس ہو گیا۔ کہ ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ پھرتا۔ اور رات کو اس کے پلنگ کے نیچے سویا کرتا۔ بیگم صاحبہ کو اب اس سے اتنی الفت ضرور ہو گئی۔ کہ اس کے نکالنے کا

کبھی نام نہ لیتیں۔ اکثر وقت اُس کو پیار سے بُلاتی رہتیں۔ مگر نیولا سعید کے سوا کسی کو توجہ کے لائق نہ جانتا۔ اور ہر وقت اُسی کے پاس رہتا۔

دہلی کی عورتوں کو طوطوں کے نام رکھنے میں تو خاص مشق ہے۔ ہیرامن۔ مولابخش۔ دلبر۔ بے نظیر۔ نذرعلی۔ وفادار۔ اور اسی قبیل کے نام جو کسی اصول پر نہیں رکھے جاتے۔ بہت سے موجود ہیں۔ مگر نیولے کا نام رکھنے میں بیگم صاحبہ کو بہت دِقت ہوئی جس دن نیولے کے لئے پٹا سی کر اس پر پیک ٹانک رہی تھیں۔ سعید سے نام کی بابت مشورہ کرتی جاتی تھیں۔ آخر سعید کی نکتہ خیز طبیعت نے اس معمّے کو حل کیا۔ اور کہنے لگا "اماں جان! یہ ہر وقت چک چک کرکے بولا کرتا ہے اس کا نام بھی چٹ چٹ رکھو"۔

بیگم "بھئی! یہ تو تم نے نئی طرح کا نام نکالا۔ ٹھیک ہے۔ چٹ چٹ ہی کہا کرو"۔

چٹ چٹ کو انسانی بود و باش اختیار کئے ہوئے ایک برسات اور ایک جاڑا نکل چکے تھے۔ گرمی شروع تھی۔ عمدہ اور قوی غذا نے اُس کے ہاتھ پاؤں میں ایک غیر معمولی وسعت پیدا کردی تھی۔ سارے محلے کے نیولے اس کا ادب کرتے تھے۔ جانور بھی آدمی کی طرح۔ یا یوں کہو کہ آدمی بھی جانور کی طرح زبردست سے کان دبا کر چلتے ہیں۔ یک چک

کے ہاتھ پاؤں کی اُٹھان دیکھ کر تمام نیولے رشک کرتے تھے۔ بہت سی نیولیاں چاہتی تھیں۔ کہ چک چاک انسانی بود و باش ترک کر کے اپنی برادری کا رویہ اختیار کرے اور کسی موری کو سکونت کے واسطے پسند کرلے۔ تو ہم اس سے شادی کرلیں۔ مگر چک چک کو آدمی کی اور بالخصوص سعید کی صحبت ایسی مرغوب تھی۔ کہ اکثر نیولوں اور نیولیوں سے بچ کر چلا کرتا۔ اور سوائے جی بہلانے کے اور کسی غرض سے اُن میں شریک ہوتا۔

چک چاک کا دماغ فلسفیانہ تھا۔ مختلف قسم کے جانوروں سے اس کو ملاقات کرنے کا شوق تھا۔ روز کے آنے والے پرند مثلاً چڑیاں کوّے۔ مینا۔ فاختہ۔ شکرخورہ۔ یہ دیکھ کر کہ چک چاک آدمی کے ساتھ رہ کر آدمی کی غذا کا عادی ہوگیا ہے۔ اور کسی قسم کا شکار نہیں کرتا ہے خوف زمین پر اُتر آتے۔ اور چک چاک سے باتیں کرتے۔ چک چاک اُن کے وسیع تجربوں کو توجہ سے سنتا۔ اور تنہا بیٹھ کر اُن کی باتوں پر غور کیا کرتا۔ رات کو اُلّو کبھی کبھی آنکلتا۔ تو اس سے بھی صاحب سلامت ہو جاتی مگر اُلّو اپنی لیاقت کے غرور میں نیولے کو لائق خطاب نہ سمجھتا۔ اور نیولا اپنے زعم میں اُس کو مغرور سمجھ کر توجہ سے بات نہ کرتا۔ مگر کوّے سے بہت ربط و ضبط تھا۔ ایک دن اتفاق سے باغیچے میں ایک زنبیل آیا۔ نیولے نے نئی طرح کا جانور دیکھ کر اُس سے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف

لائے؟" ٹلیر نے کہا "دریا پر سے"۔

چک چاک "دریا کیا ہوتا ہے؟"

ٹلیر "دریا کہتے ہیں بہت سے پانی کو۔ جس کے کنارے بہت سی کیچڑ ہوتی ہے۔ اُس کیچڑ میں بہت سے کیڑے ہوتے ہیں۔ اُن کیڑوں کو ٹلیر لوگ کھاتے ہیں"۔

چک چاک "تم کیڑے کھا لیتے ہو؟"

ٹلیر "تم نہیں جانتے۔ کہ چھوٹی چیزیں بڑی چیزوں کے استعمال کے واسطے بنی ہیں؟"

چک چاک اس فلسفیانہ جواب پر غور کرتا تھا کہ اتنے میں کوّا آ پہنچا۔ اور ٹلیر "آب آمد تیمم برخاست" کہتا ہوا اُڑ گیا۔ کوّے نے اس کے پیچھے دھمکیوں کا چھرّا روانہ کیا۔ "خبردار ہے جو تو پھر اس باغیچے میں آیا۔ ٹڈیاں کھاتے کھاتے ہمارا حق بھی چھیننے کی نیت کی۔ اتنی ٹھونگیں ماری ہونگی کہ یاد کریگا"۔

چک چاک "ماموں کالے کس پر خفا ہو رہے ہو؟"

کوّا "کچھ نہیں بیٹا! یہ کہتا ہوں کہ اس ٹلیر کے دم میں کبھی نہ آنا۔ یہ باتیں بنا کر ٹڈو لینے آیا تھا۔ کچھ یہاں کھانے کو ہوتا۔ تو ابھی ساری برادری کو ساتھ لگا لاتا۔ اور وہ ہزاروں لاکھوں ہوتے ہیں۔ اگر ٹلیر دنیا میں نہ ہوں تو کوے کو بھی دربدر پھرنا نہ پڑے۔ پھل۔ کیڑا۔ جھنگا۔ اناج۔ ٹڈی جو کچھ ہو سب

کھا جاتے ہیں" ۔

چک چک: "اچھا غصے کو تو تھوک دو۔ یہ بتاؤ کہ کدھر سے آئے ہو؟"

کوا: "برخوردار آج تو ذرا کمیلے کی طرف نکل گیا تھا" ۔

چک چک: "کمیلہ کیا ہوتا ہے"؟

کوا: "جہاں بکریاں ماری جاتی ہیں۔ گوشت آدمی لے جاتے ہیں انتڑیاں کوّوں کو دے جاتے ہیں" ۔

چک چک: "ماموں کالے! تم انتڑیاں بھی کھا لیتے ہو"؟

کوا: "برخوردار! تم نہیں جانتے۔ انتڑیاں بڑی مقوی غذا ہے۔ دوسرے یہ کہ عمدہ گوشت تو تم ہی کو مل سکتا ہے۔ کہ آدمیوں میں رہتے ہو۔ ورنہ ہم لوگوں کو کہاں میسر۔ جو مل گیا کھا لیا۔ روٹی ٹکڑا۔ دودھ۔ دہی۔ پنیر۔ مردہ زندہ۔ جو کچھ مل گیا۔ وہی روا ہے" ۔

چک چک: "ماموں کالے! تم آدمیوں میں کیوں نہیں رہتے"؟

کوا: "برخوردار! اس کی کئی وجوہ ہیں۔ بڑی تو یہ ہے کہ ہماری ان کی بنتی نہیں۔ ان کے یہاں ہر طرح کی قیدیں اور پابندیاں ہیں۔ باورچی خانے میں نہ جاؤ۔ آٹے کے کونڈے میں چونچ نہ ڈالو۔ مٹھلیا کی ٹونٹی سے چونچ لگا کر پانی نہ پیو۔ دیوار پر بیٹھ کر بولو نہیں۔ کون اتنی سختیاں اٹھائے۔ آزادی سے بہتر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ جہاں جی چاہا چلے گئے۔ نیا دانہ نیا

پانی۔ آج پورب کو چلے گئے تو کل پچھم کو۔ روز نو روزی نو"

پیاب چپاک"۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی۔ دوسری؟"

کوا"۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہماری اماں جو بنگالے سے آئی تھیں ہم کو
ہمیشہ یہ نصیحت کرتی رہتی تھیں۔ کہ آدمی کے سائے سے بچنا"

پیاب چپاک"۔ اچھا تو نانی صاحبہ بنگالے سے آئی تھیں۔ کیا وہاں
کے کوے کسی اور قسم کے ہوتے ہیں"؟

کوا"۔ ہوتے تو ایسے ہی ہیں۔ مگر زیادہ کالے۔ خوب چمکدار۔ رسیلی آنکھیں
گول سر۔ تیز زبان۔ خوش زبان۔ غضب کے چوکنے۔ اپنے مطلب کے
ہوشیار۔ مگر دل کے ذرا بودے ہوتے ہیں۔ بگلے سے ڈر جاتے ہیں۔ مگر
کوے کے واسطے بزدل ہونا بھی ایک خوبی ہے۔ غرض یہ کہ کوا ہونے کی
حیثیت سے بنگالی کوا اس طرف کے کوے سے بہتر ہوتا ہے۔ مگر بھانجے
پیوتا تم نے آج کیا کھایا تھا"؟

پیاب چپاک"۔ وہی گوشت روٹی"

کوا"۔ پھر کوئی ٹکڑا روٹی کا اور کوئی بوٹی ہمارے لئے نہیں رکھی"؟

پیاب چپاک"۔ گوشت تو میں سب کھا گیا۔ ٹکڑا روٹی کا پڑا ہوا ہے وہ
سامنے دالان کے کونے میں"

کوا"۔ دالان میں تو میں اس وقت کبھی نہیں جانیکا۔ آدمی بیٹھے ہوتے

ہیں۔ تم ہی جا کر لے آؤ "۔

چک چک "میں جا کر لے تو آؤں۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ جہاں کھانے کی چیز آپ کے ہاتھ لگ گئی۔ اسی وقت چل دیئے "۔

کوا "بھائی اس بات کا تو ذکر ہی نہ کرو۔ طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے۔ کہ جہاں کوئی کھانے کی چیز ہاتھ لگی۔ اور دل بے چین ہوا۔ پھر بغیر اس کے پیٹ میں رکھے اطمینان نہیں ملتا۔ چلو بہت حرف گیری نہ کرو۔ اگر بڈھے ماموں کی خدمت کرنی ہے تو جاؤ ٹکڑا لے آؤ نہیں تو جواب دو۔ کوئی اور گھر دیکھیں "۔

نیولا ہنسا اور اندر سے روٹی کا ٹکڑا لے آیا۔ اور ماموں کالے کی تواضع کیا۔ انہوں نے تو ٹکڑا سنبھال کر اپنی راہ لی۔ اور سعادتمند بھانجا ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر قیلولہ کرنے لگا۔ کہ اتنے میں اس کے کان میں رونے کی آواز آئی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا کہ ایک شکر خورہ اور اس کی مادہ دونو بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ چونچیں کھلی ہوئی ہیں۔ اور ننھی ننھی کالی کالی آنکھوں میں سے آنسو نکل کر پروں کو بھگو رہے ہیں نیولے کا دل ان کو دیکھ کر بہت کڑھا۔ پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو؟ مادہ بولی کہ "بھائی ہم لوگ رونے ہی کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ جاڑے بھر دعا مانگی گرمی آئی انڈے دیئے۔ ان میں فقط ایک بچہ دکھائی دیا

تھا۔ آج وہ جانہار گھونسلے میں سے گر پڑا۔ کالا سانپ (اُس پر بجلی گرے)
اس طرف آنکلا۔ اور اُس معصوم کو نگل گیا۔ ہم میں طاقت ہوتی۔ یا چیل
جتنے بھی ہوتے۔ تو اُس سے لڑتے۔ اپنے بچّے کو بچاتے۔ ہمارے ہاتھ
جوڑتے جوڑتے موذی نگل گیا۔ کچھ بس نہیں چلتا۔ اپنی آنکھوں پر بس چلتا
ہے۔ رو رہے ہیں" یہ کہہ کر پھر رونے لگے۔ نیولے کی آنکھوں میں بھی
آنسو بھر آئے تھوڑی دیر چُپ رہا۔ کیونکہ سانپ کا نام سُن کر اُس کو یہ
فکر پیدا ہو گیا۔ کہ اس کا باغ میں رہنا اچھا نہیں۔ اپنی ماں سے سُنا
تھا کہ کالا سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے جس طرح شکر خورہ کے بچّے کو
کھا گیا۔ اسی طرح اگر کسی آدمی کو کاٹ کھائے۔ تو بُرا ہوگا لیکن اُس نے
آج تک کالے سانپ کو دیکھا نہیں تھا۔ پھر شکر خورہ سے مخاطب ہو کر
بولا۔ "اگر کوئی اَور نیولا ہوتا۔ تو تمہارے ساتھ ہمدردی نہ کرتا۔ مگر میں
پرندوں کا شکار نہیں کرتا۔ آدمیوں کے ساتھ گوشت کھا لیتا ہوں۔
میرا پیٹ بھر جاتا ہے۔ اس لئے تم جانتے ہو۔ کہ میں کسی چڑیا چموٹے
پودے۔ شاما۔ شکر خورہ سے بولتا تک نہیں مجھ کو تمہاری دردناک
حالت دیکھ کر بہت رنج ہوا ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ کالا سانپ کتنا بڑا
ہوتا ہے؟" نر نے جواب دینے کو چونچ کھولی تھی۔ مگر کوئی چیز دیکھ کر
سہم گیا۔ نیولے نے جس طرف شکر خورہ کی نگاہ جمی ہوئی دیکھی اپنی نظر

بھی دوڑائی۔ دیکھا کہ دو گز کا سیاہ فام سانپ پھن پھیلائے گھاس پر سے آہستہ آہستہ سر اٹھا رہا ہے۔ نیولا اس کو دیکھ کر یک لخت پھول گیا لال منہ سے لگا کر خار دار دُم تک تمام بال کھڑے ہو گئے آنکھیں قندھاری انار کا دانہ بن گئیں پیٹھ میں خود بخود ایک کُب نکل آیا۔ سانپ بھی بجائے خود ہوشیار رہا۔ اس کو بھی معلوم تھا۔ کہ جس گھر میں نیولا ہے۔ وہاں زہریلے بھائیوں کی خیر نہیں۔ پھر بھی نیولے کے دھمکانے کو بولا۔ "سانپ کتنا بڑا ہوتا ہے؟ اتنا بڑا ہوتا ہے۔ دیکھ! اور ڈر" یہ کہتا جاتا تھا اور پھن کو اٹھاتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ زمین سے ڈھائی فٹ اونچا ہو کر جھومنا شروع کیا۔ نیولا تھوڑی دیر تک تو سنّاٹے میں رہا۔ مگر پھر فطرت غالب آئی۔ دل میں کہا کہ جس جانور کا گوشت میری ماں مجھے کھلا چکی ہو اس سے کیا خوف کرنا؟ دوسرے اُس کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ نیولے کی زندگی کا مقصد یہی ہے۔ کہ سانپوں سے لڑا کرے۔ اور اُن کو سیس ناگ کے پاس پہنچایا کرے۔

سانپ نے جب دیکھا کہ نیولا آنکھ میں آنکھ ڈالے دیکھے جاتا ہے کہنے لگا "اے جنگلی چوہے! تجھے معلوم ہے۔ کہ میں کون ہوں؟"

نیولا "منہ سنبھال کر بات کرو۔ میں جنگلی چوہا نہیں ہوں۔ نیولا ہوں۔ نیولا ابن نیولا ابن نیولا .... "

سانپ "چوہا بن چوہا بن چوہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ تو نہیں جانتا میں کون ہوں ؟ ارے جنگلی چوہے ! ہم لوگوں کی پھن پر برہما جی نے اپنی مُہر لگادی ہے ۔ اور تمام جانوروں سے خوبصورت بنایا ہے ہم کو اختیار ہے کہ جس جانور کو جس نام سے جی چاہے پکاریں" ۔

نیولا "پہلے چوہے کی تغار میں نہالو پھر یہ کہنا" ۔

سانپ "کالا رنگ سفید سے بہتر ہے ۔ دیرپا ہے میل خورہ ہے تبرک ہے ۔ مگر تُو تو اپنی کہہ ۔ موریوں کے رہنے والے! چوری کا دودھ پینے والے!"

نیولا "میں چور نہیں ہوں ۔ چور وہ جو چوری سے کاٹے ۔ شکار نہ کر سکے ۔ گرے پڑے پرندوں کے بچے کھا جائے ۔ کبھی آتے جاتے چھپکلیاں کھالیں کبھی مینڈک کھالیا ۔ کچھ نہ ملا ۔ تو سستی کے مارے مٹی چاٹ لی" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نیولا جوش میں آکر سانپ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا ۔ اور اس فکر میں تھا کہ سانپ سے ایک پالی ہونا چاہئے ۔ شکر خورہ اس کو چیخ رہا تھا کہ ارے بھائی پیچھے دیکھ ۔ پیچھے دیکھ" ۔ مگر اس نے ایک نہ سُنی ۔ اتنے میں سانپ کی نگاہ نیولے کے پیچھے کی طرف پھری ۔ یہ اُسی وقت چوکنّا ہوا ۔ ساتھ ہی شکر خورے کی آواز بھی کان میں آئی ۔ فطرت کاملہ جانوروں کی عین وقت پر رہنمائی کرتی ہے ۔ نیولے نے بجائے دیکھنے کے جہاں کھڑا تھا ۔ وہیں سے ایک ڈنن لگائی ۔ اور صاف ہوا میں اُڑ گیا ۔ جونہی اُس کے پاؤں زمین سے اُٹھے

وہیں ناگن کا سر زمین پر گرتا ہوا دکھائی دیا۔ اور چوٹ خالی جانے کی پھُنکار سُنائی دی۔ اور ابھی ناگن اُٹھنے نہ پائی تھی۔ کہ نیولا اس کے اوپر گرا۔ اور اس طرح کہ دانت ناگن کی پُشت پر تھے۔ اور پاؤں زمین پر۔ آدمی کی آنکھ ان جانوروں کی پھُرتی کا تعاقب نہیں کر سکتی۔ نیولا کاٹ کر الگ جا کر کھڑا ہوا۔ سانپ دانت پیستا رہ گیا۔ اور ناگن کو سنے لگی۔ نیولے نے کہا کہ "یہ کیا مردی ہے ایک کے مقابلہ میں دو۔ اور وہ بھی فریب اور دھوکے کے ساتھ ایک ایک آجاؤ پھر سیر دیکھ لو" سانپ فی الواقع بزدل ہوتا ہے۔ کہنے لگا "یار زندہ صحبت باقی۔ پھر دیکھی جائیگی" یہ کہہ کر کالوں کا جوڑا بھاگا اور بِل میں گھُس گیا۔ شکر خورے نے پروں سے چیر زدی۔ اور نیولے کی پھُرتی کی جی کھول کر تعریف کی۔ سانپ شکر خورے کی آواز سُن کر پھر بانبی سے نکلا اور اُسے دھمکی کی نظر سے دیکھ کر کہنے لگا "نیچے اُتر تو بتاؤں"

شکر خورہ "نیولا تو نیچے کھڑا ہے اسے تو بتا لیجئے"

سانپ "کیا کہوں میرے پر نہیں۔ نہیں تو سوائے شکر خوروں کے کچھ نہ کھایا کرتا"

شکر خورہ "کوّے سے پر مانگ لو۔ وہ نہ دے تو چیل سے لے لو۔ آٹھ دن کے واسطے۔ وہ بھی نہ دے تو اُلّو کے پاس چلے جانا۔ وہ کوئی تدبیر اُڑنے کی بتا دیگا"

سانپ پیچ و تاب کھاتا ہوا پھن سمیٹ کر پھر بانبی میں داخل ہوا۔ شکر خورہ اور اُس کی مادہ پھولوں پر پھُر پھُرانے کے لئے چلے گئے نیولے نے چبوترے پر بیٹھ کر آج کے واقعات کو دل میں دُہرانا شروع کیا "جھپٹ تو اچھی رہی۔ مگر اللہ نے جان بچائی۔ ناگن کی چوٹ خالی گئی۔ دو سانپوں سے ایک وقت میں لڑنا مشکل ہے۔ ایک سے لڑو۔ دوسرا کاٹ کھائے سانپ کے چھالے بھی بہت پھولے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت روز سے اُس نے کسی کو کاٹا نہیں۔ بہرحال ہوشیار رہنا اچھا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نر مادہ مل کر پھر کسی روز گھیر لیں۔ اور یہ جو آدم زاد کی نسل میں بڈھے کہا کرتے ہیں کہ نیولے کو ایک بوٹی یاد ہے جس سے سانپ کا زہر اثر نہیں کرتا یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اماں جان جب نباتات پر لکچر دیا کرتی تھیں تو کبھی ایسی بوٹی کا اُنہوں نے ذکر نہیں کیا۔ ساری بات پھرتی پر موقوف ہے۔ فتح و شکست چستی و سستی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے جب تک اس گھر میں دونو سانپ موجود ہیں ذرا کھانا ہلکے پیٹ کھانا چاہئے۔ مبادا کہ موٹا ہو جاؤں۔ اور سانپ اس بات کو تاڑ کر ہم ٹھونکے۔ پھر لڑنا ہی پڑیگا۔ اور اگر ہاتھ پاؤں نے یاری نہ دی۔ تو زندگی کو خیر باد ہے"۔ یہ فیصلہ کر کے نیولے نے اسی وقت سے کھانا کم کر دیا +

جس مکان میں خاں صاحب رہتے تھے۔ اُس کے باہر کوڑا صلوائی کی دُکان تھی۔ کوڑا مل کی بڑی مدقوق۔ چربیلی توند اس بات کا ثبوت دیتی تھی

کہ اُن کی دُکان کا دُودھ خالص بھینس کا ہے۔ اور بہت فربھی آور ہے۔ جب کوڑامل دوپہر کو دروازہ بند کرکے قیلولہ فرماتے تھے۔ اور اُن کی خرّاٹوں کی "خپ خپ۔ خرُ۔ شر۔ پھُو ہ" سڑک پر سے راہ گیر سنتے جاتے تھے۔ تو نیولے گرد و پیش کی دُکانوں اور نالیوں میں سے نکل کر دُکان میں آجاتے اور کڑاہاؤں کا اس طرح محاصرہ کر لیتے۔ جیسے باغیوں نے لکھنؤ کا کیا تھا۔ ہمارا ہیرو بھی کبھی کبھی تفریحاً چلا جاتا۔ اور اپنے سے بڑی عمر کے نیولوں کی باتیں سُن کر تجربہ حاصل کرتا تھا۔ جس دن ناگن سے نیولے کی ایک جھپٹ ہوئی تھی۔ اُس کے دوسرے دن نیولا دوپہر کو کوڑامل کی دُکان میں گیا کوڑامل اُلٹے سیدھے خرّاٹے لے رہے تھے "خپ خپ۔ خرُ۔ شر۔ پھُوہ" ناک کے نتھنے۔ ہونٹ۔ زبان۔ ہر ایک عضو بجائے خود خرّاٹوں میں ایک خاص کام دے رہا تھا۔ دُور سے اُن کی آواز کبھی دودھ اُچھالنے کی آواز سے مشابہ معلوم ہوتی تھی کبھی یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ چھاچھ بلو رہے ہیں کبھی دودھ دُہنے کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ ہر نفسے کہ فرو میرود ممدِ حیات است وچوں برمے آید مفرّحِ ذات +

نیولے اس آواز کو کوڑامل کی غفلت کی علامت سمجھتے تھے۔ یا یہ سمجھو کہ محاصرہ کا بگل سمجھتے تھے۔ اور چار طرف سے اکٹھے ہو کر کڑاہاؤ پر حملہ کرتے تھے جس وقت ہمارا دُم دار دوست دُکان میں داخل ہوا۔ محاصرہ بڑی

سرگرمی سے ہو رہا تھا۔ نیولے کڑھاؤ کی دیوار پر بڑے زور شور سے چڑھ رہے تھے۔ دُمیں زمین پر پھیلی ہوئی تھیں پچھلی ٹانگوں پر پنجوں کے بل کھڑے ہوئے اگلے پنجے کڑھاؤ پر جمے ہوئے تھے۔ تھوتھنیاں دُودھ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ملائی کنارے پر سے خوب خوب غائب ہوتی جاتی تھی۔ اور اگر دُودھ بہت گرم نہ ہوتا تو قلعہ خالی ہی کر لیا تھا۔ مگر گوڑا مل ان آفریدیوں کے خوف سے چُولھا گرم رکھتے تھے۔ جب چک چک وہاں پہنچا تو اپنی قوم کے دستور کے موافق ایک بُڈھے لنگڑے نیولے کو سر اُٹھا کر اگلے دونو پاؤں ملا کر سلام کیا۔ نیولے جب آپس میں سلام کرتے ہیں۔ تو ایک کہتا ہے "اللہ بھوک لگائے" دوسرا جواب میں کہتا ہے "اللہ گوشت کھلائے" مزاج پرسی کے وقت فقط ناک کے نتھنے ہلاتے ہیں۔ جب فریقین سلام و دُعا کے مدارج سے فارغ ہوئے۔ تو چک چک نے کہا۔

"آپ تو دُودھ پی رہے ہیں۔ اور مَیں آپ کی باتیں سُننے آیا تھا"

لنگڑا "کیا کروں بیٹا؟ جب سے ٹانگ گئی۔ شکار کے کام کا ہی نہیں رہا نہ پرند کھایا ہے۔ نہ سانپ چکھا ہے۔ دُودھ ہی پر گزارہ ہے"

چک چک "مجھے کئی دفعہ خیال آیا۔ کہ آپ سے پُوچھوں کہ ٹانگ پر صدمہ کیونکر آیا۔ مگر موقع نہ ملا"

لنگڑا "برخوردار! تقدیر کا جو نقصان ہوتا ہے۔ وہ پہنچ کر ہی رہتا ہے

ٹھیرو میں ایک دو گھونٹ دودھ کے اور پی لوں۔ پھر بیان کروں گا۔ آج کا دودھ تو گرم اتنا ہے کہ مُنہ نہیں ڈالا جاتا۔ خیر اوپر اوپر سے ذرا ملائی کھا لیتا ہوں "۔

یہ کہہ کر لنگڑے نے چار پانچ منہ ملائی پر مارے۔ اور مونچھیں زبان سے صاف کر کے اپنی ٹانگ ٹوٹنے کا حال یوں بیان کرنے لگا:۔

" برخوردار چک چک! میری عمر تمہارے جتنی ہو گی۔ کہ ایک دن شروع بارش کے موسم میں گرمی کے سبب اپنے بل سے باہر نکل آیا اور اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ کالا ابر چھایا ہوا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی جیسے معلوم تھا کہ مینہ آنے والا ہے۔ اس خیال سے کہ مبادا بارش ہو جائے اور شکار نہ ملے میں اپنے بل سے باہر نکلا۔ مینا کے بچے ان دنوں میں گھونسلے سے اُتر آتے ہیں۔ مگر ابھی اچھی طرح اُڑ نہیں سکتے۔ میں نے ایک بچے پر گھات لگائی اور پکڑ لیا۔ میری بیوی جس کو میں نے ایک اُودبلاؤ سے لڑ کر چھینا تھا، بچے دینے والی تھی۔ اور کئی گھنٹے سے بھوکی بیٹھی ہوئی تھی میں نے شکار اُس کو جا کر دے دیا۔ اور آپ دوسرے شکار کی تلاش میں باہر [illegible] پڑھتی ہوئی غل مچا رہی تھیں۔ بچے چیخیں مار رہے [illegible] ۔ [illegible] طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی زور سے چیخیں مارنے کی کوشش کرتے

تھے۔ مگر میرے پاس کوئی نہ پھٹکتا تھا۔ نر گالیاں دے رہے تھے۔ مادائیں
کوس رہی تھیں۔ نیولے کی چُپ مشہور ہے۔ مَیں اپنے فکر میں تھا۔ کہ
یکایک بہت سا شور ہوا۔ اور میرے آگے سے ایک بلّی کبوتر لئے ہوئے
بھاگ کر نکلی۔ اُس کے پیچھے ایک آدمی لکڑی لئے ہوئے بھاگا ہوا آ رہا تھا۔ مَیں
جَست کر کے رستے سے بچ کر کھڑا ہو گیا۔ آدمی نے بلّی کو جا لیا۔ مگر وہ پھُرتی
سے کبوتر کو پھینک کر دیوار پر چڑھی۔ دیوار بہت اونچی تھی۔ چڑھا نہ گیا۔ آدمی
نے لکڑی ماری۔ مگر چوٹ خالی گئی۔ اور بلّی نکل گئی۔ حتیٰ کہ دونو میری نظر سے
اوجھل ہو گئے۔ کبوتر پڑا ہوا تڑپ رہا تھا۔ مَیں نے دل میں کہا کہ یہ شکار
خدا نے مجھے دیا ہے۔ دوڑ کر اُسے پکڑ لیا۔ اور اپنے بِل کی طرف لے گیا۔
دروازے پر لے جا کر اچھی طرح اُس کا خون پیا۔ پھر ایک دوڑ لگا کر پیٹ
بھر کر گوشت کھایا۔ یہ میرا آخری شکار تھا۔ اب نیند کا غلبہ ہوا۔ بِل میں آیا
وہاں میری بیوی نے مینا کے بچے کو صاف کر رکھا تھا۔ کچھ مَیں نے اُس
میں سے بھی چکھا۔ باقی اس نے کھایا۔ پھر ہم دونو سو گئے۔ سوتے میں
پیاس لگی۔ پانی ہمارے گھر سے بہت دُور تھا۔ اکثر ہم لوگ ایک کوئیں پر
جا کر پانی پیا کرتے تھے۔ مگر اُس روز اُدھر نہیں گئے۔ جس باغ میں تم
رہتے ہو۔ اُس میں چلے گئے۔ وہاں نل تو نہیں تھا۔ کیونکہ یہ تو اب
تمہارے زمانے کی باتیں ہیں۔ مگر روشوں میں پچھلی بارش کا پانی کھڑا

ہوا تھا۔ ہم دونو نے پانی پیا۔ اب میں اتنا بھاری ہوگیا کہ چلنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ گھر کی طرف مڑے ہی تھے۔ کہ ایک کالا سانپ اور پیچھے اُس کے ناگن گھاس پر گھسٹتی ہوئی میرے سامنے سے گزرے۔ سانپ کی نظر بھی مجھ پر پڑی۔ مَیں نے دِل میں کہا کہ غضب ہوگیا۔ ابھی مَیں نے کھانا کھایا ہے۔ اور ابھی یہ کم بخت میرے سامنے آگیا۔ لڑنے کی اس وقت ہمت نہیں دیکھی۔ پھر یہ خیال آیا۔ کہ ایک دن مرنا تو ہے ہی پھر سانپ سے کیا دبنا۔ اس سے بھاگنا نامردی ہے۔ تمام نیولے کہینگے کہ سانپ سے بھاگ گیا۔ یہ سوچ کر مَیں ٹھہرا۔ نیولی بھی ہوشیار ہو گئی تھی۔ اُس کی طرف مَیں نے دیکھا۔ وہ فوراً میرا مطلب سمجھ گئی۔ اور کہنے لگی کہ اِس چُڑیل ناگن سے مَیں سمجھ لونگی۔ تم مردو مرد آپس میں بُھگت لو۔ سانپ میرے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ "میرے باغ میں تم لوگ کیوں آئے ہو؟" مَیں نے جواب دیا کہ "پانی پینے آئے تھے۔ تم لوگوں میں کچھ دم ہے۔ تو روک لو"۔ سانپ نے کہا کہ "لو تو پھر ہوشیار ہو جاؤ"۔ یہ کہہ کر ظالم نے میری ٹانگ پر منہ مارا۔ میری نظر اُس وقت ناگن پر تھی۔ کہ مَیں تو ادھر باتیں کر رہا تھا۔ اور وہ میری مادہ سے جا کر گُتھم گُتھا بھی ہوگئی تھی۔ انفاق سے ناگن بھی انڈوں پر بیٹھی تھی۔ اس لئے دونو پیٹ والیوں کے جوڑ برابر تھے۔ مَیں برخلاف اُس کے کھانا کھائے ہوئے تھا۔ اور سانپ بھوکا تھا۔ شدنی امر تھا۔ تھنّا اِس

کہ ٹانگ پر پڑ گیا۔ بڑی انگلی میں کاٹا۔ اس وقت میں اتنا بھاری تھا۔
کہ اس معمولی چوٹ سے بھی نہ بچ سکا۔ چوٹ اس کی پوری ہوئی۔ مگر میں
نے اس کا منہ وہاں سے اٹھنے نہ دیا۔ ابھی کھلنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ میں
نے دونو جبڑے ملا کر پکڑ لئے نیولے کے اس داؤ سے سانپ بڑا عاجز
ہوجاتا ہے۔ اگرچہ گردن کا داؤ بھی اچھا ہے۔ کہ اس میں سانپ جلدی
سے مرجاتا ہے لیکن اس داؤ کی خوبی یہ ہے۔ کہ سانپ لپیٹ نہیں سکتا
اس کے منہ پر قفل لگنا تھا کہ وہ کھڑا ہوگیا۔ اور مجھے زمین پر پٹکنا شروع
کیا جوڑ جوڑ میرا ہلا مارا۔ مگر ہر پٹخنے پر میرے دانت اس کے دماغ میں
اور گھستے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ڈھیر ہوگیا۔ میں اس کی لاش
پھینک کر اپنی مادہ کی خبر لینے چلا۔ وہاں وہی کشتی دیکھی۔ ناگن نے اس
کو لپیٹ رکھا تھا۔ اور اس نے ناگن کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ لیکن ناگن
انڈوں پر تھی۔ اس لئے اس کی لپیٹ ہلکی تھی۔ ورنہ یہ بھی پیٹ والی تھی۔
اس کی لپیٹ میں اس کا کام تمام ہوجاتا۔ میں نے اشارہ کیا۔ کہ گردن
چبا کر اس کا سر الگ کردے۔ پھر یہ آپ ڈھیلی پڑ جائیگی۔ اس نے گردن سے
اشارہ کیا۔ کہ مجھ سے نہیں چبایا جاتا۔ آخر میں نے بھی ناگن کے منہ
میں قفل ڈالا۔ اور اپنے قبضے میں کرکے نیولی کو چھڑایا۔ ناگن ڈھیر ہوگئی
اب مجھے خیال آیا۔ کہ میرے سانپ نے کاٹا ہے۔ کچھ بندوبست کرنا

چاہئے۔ نیولی سے مَیں نے کہا کہ "تم میری ٹانگ میں سے وہ اُنگلی کاٹ دو جس میں سانپ نے کاٹا ہے"۔ اُس نے تھوڑی سی پس و پیش کر کے کُتر دیا۔ بہت سا خون گیا۔ مگر وہ اُنگلی سڑنی شروع ہو گئی۔ چند روز میں ہاتھ کی باقی اُنگلیاں بھی گلنی شروع ہو گئیں۔ ایک ایک کر کے سب گر گئیں کلائی کی نوبت آئی۔ مَیں بہت دُبلا اور ناتواں ہو گیا۔ شکار تو کجا چلنا پھرنا بھی مشکل سے جاتا تھا۔ نیولی کچھ چھوٹا موٹا شکار مار لیتی۔ کبھی مَیں اُٹھتا بیٹھتا اِس دُکان تک آ جاتا۔ اور دُودھ پی جاتا ۔

ایک دِن ایسا اتفاق ہوا۔ کہ مَیں بھوک سے عاجز آ گیا۔ رات کو آذوقہ کی تلاش میں گھر سے باہر نکلا۔ میرے گھر کے پاس جو آدمیوں کا گھر ہے۔ اس میں چلا گیا۔ کچھ لکڑی۔ کچھ لوہے کی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی نیولے کے قد کے برابر اُونچی رکھی ہوئی تھی۔ مَیں نے اُس میں گوشت کی بوٹی دیکھی۔ دروازہ اُس کا اُٹھا ہوا تھا۔ اندر چلا گیا۔ گوشت کا ٹکڑا کسی چیز میں لٹکا ہوا تھا۔ ٹکڑے کا کھینچنا تھا کہ دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔ اور مَیں اندر رہ گیا۔ کھانا پینا تو کس کا، بھاگنے کی فکر ہوئی ۔

چیک چاک "۔ آپ کا قطع کلام معاف! جس گھر میں مَیں رہتا ہوں۔ اُس میں بھی ایک چیز اسی قطع کی رکھی ہوئی ہے۔ مگر اُس میں چوہے۔ گھونسیں وغیرہ پکڑی جاتی ہیں" ۔

لنگڑا۔ ہاں وہی۔ اُس ہیں جو ہے۔ نیولے۔ گھونسیں چھچھوندریں سب ہی کچھ پکڑے جاتے ہیں۔ غرض میں نے بہت سر مارا۔ کہیں رستہ نہ ملا۔ جس لوہے کے ٹکڑے ہیں گوشت کی بوٹی اٹک رہی تھی۔ وہ میری دُم اور پیٹھ سے لگ کر کھڑ کھڑ بولتا تھا۔ اُس کی آواز سے گھر والے جاگ اُٹھے۔ اور ایک مادہ آدمی جلدی سے روشنی لے کر آئی۔ اور ایک نر آدمی لکڑی لایا۔ میں نے دونوں کی شکل دیکھ کر خیال کیا کہ آج اجل آئی! یہ نر آدمی زندہ نہیں چھوڑیگا۔ برخوردار چاک چک! اُس وقت جو میرے دل کی حالت تھی تم سے کہہ نہیں سکتا۔ نیولی اور بچے یاد آرہے تھے۔ بچے اُس وقت فقط تین دن کے تھے۔ ٹھنڈا پل۔ بال بچے۔ آزادی تندرستی کا زمانہ۔ سب کچھ نظروں کے سامنے تھا۔

اپنی طاقت کے زائل ہونے اور ٹانگ کے جاتے رہنے پر بڑا افسوس آرہا تھا۔ ورنہ دروازہ کھلتے ہی میں نکل جاتا۔ آدمی کی لکڑی اور نیولا کھا گیا۔ تو نیولا کاہے کا رہا۔ گھونس ہو گیا۔ مگر میں تین ٹانگ کا تھا کیا ہو سکتا تھا۔ تن بہ تقدیر کہہ کر میں اُن کو دیکھتا رہا۔ کہ کیا کرتے ہیں مادہ آدمی نے روشنی قریب لا کر مجھے دیکھا۔

چاک چاک۔ معاف کیجیگا۔ پھر مجھے ایک بات یاد آئی۔ آدمیوں میں نر اور مادہ کی کیا علامت ہوتی ہے؟

لنگڑا۔ ہم نے تو اپنے بڑوں کی زبانی یہی سُنا ہے۔ کہ جس کے مُنہ پر بال
ہوتے ہیں۔ وہ نر ہوتا ہے جس کے منہ پر بال نہیں ہوتے۔ سر پر لمبے
بال ہوتے ہیں۔ وہ مادہ ہوتی ہیں۔ نر ہمیشہ ہاتھ پاؤں میں مادہ سے
زبردست ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم لوگوں میں ہوتا ہے۔ اسی طرح نر شہ زور
بھی ہوتا ہے۔ اور لڑنے بھڑنے۔ مارکٹائی کا کام وہی کیا کرتا ہے۔ غرض
مادہ نے مجھے دیکھ کر ایک چیخ ماری۔ آدمی کی مادہ ڈرپوک بہت ہوتی ہے
نیولا تو نیولا چوہے چھپا۔ بلکہ کیڑے۔ جھینگر تک سے ڈر جاتی ہے۔ والد
قبلہ اللہ اُن کو غریق رحمت کرے۔ فرمایا کرتے تھے کہ دو پاؤں کے جانوروں
میں مادہ کے لئے ڈرپوک ہونا خوبی میں داخل ہے۔ نر نے بھی مجھے دیکھا
اور دونوں اپنی بولی میں کچھ کہہ کر چلے گئے۔ اور پڑ کر سو رہے۔ میں رات بھر
اُسی گھر میں پڑا پھرا۔ کوئی صورت نکلنے کی نہ ہوئی۔ صبح کو سارے گھر کے
لوگ میرے گرد جمع ہو گئے۔ اور ہر اک نے مجھے غور سے دیکھنا شروع
کیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے تھوڑا سا پانی دیا۔ اور ایک گوشت کی بوٹی رکھ
رکھ کر سب چلے گئے۔ میں رات کا بھوکا تھا۔ گوشت کھایا اور پانی پیا
مگر دل میرا بہت بے چین تھا۔ اُسی عالم میں سو گیا۔ خواب میں کیا
دیکھتا ہوں کہ نیولی اور بچے میرے پاس آئے ہیں۔ اور اُس خانے کو
توڑ کر مجھے چھڑا کر لے گئے ہیں۔ اتنا دیکھنے پایا تھا۔ کہ میری ٹانگ پر چوکی

ہوئی تھی۔ ایک چیز لگتی معلوم ہوتی ہیں چونک پڑا۔ مگر نر آدمی نے ایک
آواز ایسی نکالی جو ہماری تمہاری بولی سے کچھ ملتی جلتی تھی۔ پھر میں نے
غور سے دیکھا تو ایک تنکے پر کچھ بودار چیز لگائے ہوئے میری زخمی ٹانگ
پر لگا رہا تھا۔ اس کے لگنے سے مجھے کچھ ایسا آرام آیا۔ کہ بیٹا ہیک چیک
تمہارے دانتوں کی قسم میں نے پاؤں پھیلا دیا۔ نر آدمی نے وہ چیز اچھی
طرح لگائی۔ تین دن میں اس قیدخانے میں بند رہا۔ مگر ان لوگوں
نے مجھے کسی طرح کی تکلیف نہ دی۔ دودھ۔ گوشت۔ پانی برابر میرے
پاس موجود رہتا تھا۔ چوتھے روز میں بالکل اچھا ہو گیا۔ اس روز مادہ
آدمی نے میرے قیدخانے کا دروازہ کھولا۔ میں اس میں سے نکل کر
ذرا ان لوگوں کے پاؤں سے بچتا ہوا اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب
گھر آیا۔ تو تمام قصہ نیولی سے بیان کیا۔ وہ بیچاری بہت پریشان تھی۔
روتے روتے اس کی ناک سوج گئی تھی۔ پھر ہم دونوں نے عہد کیا کہ آدمی
کے دشمن سے ہمیشہ لڑینگے۔ اور اگرچہ میں لڑنے کے لائق نہیں رہا۔ مگر
اپنی اولاد کو جو ہر سال ہوتی ہے برابر یہی نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ آدمی
کے دشمن یعنی ناگ سے ہمیشہ لڑنا جہاں ملے مار ڈالنا۔ چاہے اس میں
اپنی جان ہی جاتی رہے۔ میاں چیک چیاک! یہ قصہ ہے میری ٹانگ کا جو تم کو
سنایا۔ اب اس آدمی کے جاگنے کا وقت آیا۔ تھوڑا سا دودھ اور

پی لوں۔ پھر رخصت"۔

چک چک کا دماغ فلسفیانہ سانچے میں ڈھلا تھا۔ اُس نے دُکان میں ہی اس قصّہ کے اُن نتائج پر جو نیولے کے واسطے مفید ہو سکتے ہیں غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر لالہ گوڑا مل کی آنکھ کھُل گئی۔ پہلے اُن کو دو سکنڈ میں سات چھینکیں آئیں جن سے اُن کے پیٹ کو سخت جُنبش ہوتی تھی گوڑا مل کی آواز چھینکنے میں کچھ معدنی آواز ہو جاتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ دُودھ کے بنٹے پر کفچہ پڑ رہا ہے۔ نیولے منتشر ہو گئے۔ گوڑا مل نے دُکان کے کواڑ کھولے۔ اور چبوترے پر بیٹھ کر کھانس کھانس تھوکنا شروع کیا۔

چک چک اور نیولوں کے ہمراہ دُکان سے نکل گیا تھا۔ اپنے گھر پہنچا سعید کو منتظر پایا۔ جاتے ہی اُس کے کندھے پر چڑھ گیا۔ سعید نے اُس کو ایک بوٹی دی۔ جو چک چک نے قوّت ذائقہ کے پوری احساس کے ساتھ جس طرح کوئی شکم پرور مُلا کسی جوانمرگ کے فاتحہ کی بریانی کھاتا ہے وہیں بیٹھے بیٹھے نوش فرمائی۔ اور دونو ہاتھ سے نیولوں کی تہذیب کے موافق سلام کیا۔ سعید اُس کو اُتار کر لکھنے پڑھنے میں مصروف ہوا۔ اور چک چک پانی کی گھڑونچی کے نیچے جا بیٹھا اور لنگڑے نیولے کی سرگزشت پر کان کھُجا کھُجا کر نتائج ذیل قائم کرنے لگا:۔

(۱) کبوتر جہاں تک ہو سکے۔ کم کھانا چاہئے۔ کیونکہ اُس کا خون اور

گوشت دو تو پیاس لگاتے ہیں۔ نیز سردی میں مضائقہ نہیں +

(۲) بہت پیٹ بھر کر کسی قسم کا گوشت نہ کھانا چاہیے +

(۳) دو سانپوں سے اکیلے لڑنا ٹھیک نہیں +

(۴) کالے سانپ پر ہمیشہ قفل کا داؤ ڈالنا چاہیے لیکن اگر اُس کا مُنہ بڑا ہو؟ پھر سوچینگے!

(۵) برسات میں باہر پھرنے کے وقت بھوکا ہی رہنا چاہیئے +

(۶) چوہا پکڑنے کے خانے میں نہ گھُسنا چاہیئے خواہ بھُوکے ہی کیوں نہ ہوں؟

اِن نتائج کے قائم کرنے کے بعد نیولے کا وقت کچھ نہ کرنے اور اِدھر اُدھر پھرنے میں گزر گیا جس طرح اکثر آدمیوں کا گزر جاتا ہے۔ جب رات ہوئی۔ اور گھر والے سو گئے۔ نیولے نے گشت لگانا شروع کیا پہلے چبوترے کی ہوا کھائی۔ پھر اندر گیا۔ اور بڑے کمرے میں ٹہلنے لگا! تدبیر میں اس کو ایک آواز چوہے کی آواز سے مشابہ سُنائی دی۔ لیکن چوہے سے اتنی مختلف تھی۔ کہ اُس کے دل میں تفتیش کا خیال پیدا ہوا۔ جس طرف سے آواز آرہی تھی۔ اس طرف گیا۔ مگر اُس کے پہنچنے سے پہلے وہ آواز بند ہو گئی۔ نیولے کو ٹٹولنا پڑا۔ پھرتے پھرتے اُس کا پاؤں ایک جاندار نرم نرم چیز پر جا پڑا۔ اور اُسی وقت اُس نے ایک ذقن لگائی۔ اور پیچھے ہٹ کر گرا۔ پھر بلند آواز سے پوچھا "تو کون ہے"؟

ایک روتی ہوئی آواز آئی۔ کہ "لونڈی کو چھچھوندر کہتے ہیں"۔

چک چک "چھچھوندر کیا ہوتی ہے؟ اُجالے میں چل کر مجھے اپنی صورت دکھاؤ"۔

چھچھوندر "میرے چچا چوہے نے مجھے یہاں بھیجا تھا کہ اس گھر میں جاکر کچھ ٹکڑے ریزے کھا آیا کر۔ میں دیوار کے برابر برابر پھرتی ہوں کچھ مل جاتا ہے کھا لیتی ہوں"۔

نیولے نے کہا "بکواس مت کر۔ چل باہر مجھے اپنی صورت دکھا"۔ یہ کہہ کر اُس کا کان پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ چھچھوندر نے رونا شروع کیا۔ کہ "مجھے مارو نہیں میں تمہاری دُعاگو ہوں۔ اگر مجھے چھوڑ دوگے تو ایک بات کہونگی"۔ نیولے نے باہر لاکر اُسے چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ کہہ۔ چھچھوندر نے پنجے سے آنسو پونچھے۔ اور چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔

چک چک "دیکھتی کیا ہے؟ کہہ جو کچھ کہنا ہے نہیں تو جانتی ہے کہ میں بھی اپنے نام کا نیولا ہوں۔ تیری دُم پکڑ کر دو ٹہنیوں میں دم نکال دُونگا"

چھچھوندر "میں دیکھتی ہوں۔ کہ کہیں سانپ یا سانپنی تو یہاں نہیں ایسا نہ ہو وہ کہیں سُن لیں"؟

چک چک "سانپ سے کیوں ڈرتی ہے؟ میں موجود ہوں"۔

چھچھوندر "اور جس وقت تم نہ ہوگے تو وہ میرا کام تمام کر دیگا۔ خدا کے

واسطے ذرا آہستہ بولو۔ سن لے گا۔ تو پھر میں کہیں کی نہ رہونگی" یہ کہہ کر بڑھیوں کی طرح پھر رونے لگی ؂

چک چک "روئے جائیگی تو مارونگا۔ بات کہہ اور جلدی سے کہہ" ؂

چھچھوندر "اچھا تو تم اچھی طرح دیکھ لو۔ مجھے کم سوجھتا ہے" ؂

چک چک نے پچھلے دونو پاؤں پر کھڑے ہو۔ اِدھر سر پھیرا۔ اُدھر پھیرا۔ پھر کہنے لگا "کہیں نہیں۔ جلدی سے بتا" چھچھوندر نے ہاتھ جوڑ کر کہا "یہاں نہیں غسل خانے میں چلو تو کہونگی" ؂

چک چک "تو نے بڑا حیران کیا چل غسل خانے میں چل۔ اگر وہاں نہ بتایا تو تیری دُم کاٹ لونگا" دونو غسل خانے میں گئے۔ چھچھوندر کے کان نیولے سے زیادہ تیز ہوتے ہیں غسل خانے میں گھستے ہی اُس نے کہا کہ "سنو جو کچھ میں کہا چاہتی تھی۔ وہ تم اپنے کانوں سُن لو" نیولے نے چھچھوندر کے اشارے سے غسل خانے کی موری کی طرف کان لگائے تو باہر سے "توں توں۔ سوں سوں" کی آوازیں آرہی تھیں۔ سانپ اور سانپنی باہر چاندنی میں باتیں کر رہے تھے۔ نیولے نے چھچھوندر کو اشارہ کیا کہ "تو تو چل دے" اور آپ موری کے پاس کان لگا کر سننا شروع کیا۔ رات آدھی سے زیادہ جا چکی تھی۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فقط برساتی جھینگروں کی آوازوں سے باغ میں ایک قدرتی

بیٹھ رہا تھا +

"تارے چاند کی روشنی سے کچھ ماند ہو رہے تھے - مگر شبنم کے قطرے جو درختوں کے پتوں پر پڑے ہوئے تھے - چاند کا عکس ڈال کر اُس کمی کو کسی قدر پورا کر رہے تھے - ہر ایک چیز سیلی ہوئی تھی - نیولے نے اِس خوش وقتی کا فایدہ اُٹھایا - اور سانپ سانپنی کی یہ گفتگو سُنی :-

ناگن "جب گھر خالی ہو جائیگا - تو نیولا بھی چلا جائیگا - پھر باغ ہمارا ہے آپ تم جاؤ - اور پہلے نر آدمی کے کاٹنا - پھر ہم دونوں مل کر نیولے کی خبر لینگے - کیونکہ مادہ آدمی اور بچے سے ہم کو کچھ خوف نہیں" +

سانپ "لیکن ان لوگوں کے مارنے سے کیا فایدہ"؟

ناگن "مرد تو بیوقوف ہوتے ہیں - ہاں تم اکیلے بیوقوف ہو؟ فایدہ نہیں تو کیا ہے؟ اوّل تو یہ کہ نیولا آدمی کے ساتھ رہتا ہے - جب آدمی نہ ہوگا نیولا بھی نہ ہوگا - دوسرے یہ کہ دو اک روز میں میرے انڈوں میں سے بچے نکلنے والے ہیں - اُن کو بھی چلنے پھرنے اور خاموشی کی ضرورت ہے - اکیلا گھر چاہئے یا نہیں"؟

سانپ "اری واہ میری ناگنی! تو قطعی شیش ناگ کی اولاد ہے میرے تو خواب میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی - مگر نیولے کے مارنے کی کچھ ضرورت نہیں - میں ابھی جاتا ہوں - اور نر آدمی کے پہلے کاٹتا ہوں - پھر اُس

کی مادہ کو۔ پھر اُس کے بچّے کو۔ تینوں کا جب ڈھیر ہو جائیگا۔ مکان آپ خالی ہو جائیگا۔ پھر نیولا بھی چلا جائیگا"۔

یہ سُن کر نیولے کا غصّہ کے مارے بُرا حال ہو گیا۔ آنکھیں لال ہوگئیں۔ نتھنے کشادہ ہو گئے۔ سانس جلدی جلدی چلنے لگا۔ پشم تمام کھڑی ہو گئی۔ دُم پھُول کر چمنی صاف کرنے کا بُرش بن گئی۔ دِل میں آئی۔ کہ فوراً موری میں سے باہر نکل کر کھُلے میدان سانپ سے لڑے۔ لیکن اتنے میں سانپ کا سر موری میں داخل ہوا۔ اور نیولا چپکے سے ایک کونے میں کھِسک گیا۔ سانپ کا پھن اندر آیا۔ اور اُس کے پیچھے چھ فٹ کی لمبی رسی آہستہ آہستہ داخل ہوئی۔ نیولے کو اگرچہ غصّہ آرہا تھا۔ مگر سانپ کے اتنے لمبے بدن سے دہشت آئی۔ اور خوف کے مارے اُس کا خون جمنے لگا۔ سانپ نے چار فٹ کی کُنڈلی ماری۔ اور دو فٹ کھڑے ہو کر پہلے جھُوم کر چاروں طرف دیکھا۔ نیولا گھڑونچی کے نیچے ایک پُرانی ٹھلیا کے پیچھے ہو بیٹھا تھا۔ اور وہیں سے سانپ کی حرکات کو غور سے دیکھتا رہا۔ سانپ نے پھر موری میں مُنہ ڈال کر کہا "نر آدمی نے ایک دفعہ ایک افعی کو مارا تھا۔ تو اُس کے ہاتھ میں لکڑی تھی۔ اگر لکڑی اُس کے پاس ہُوئی تو کاٹنا مشکل کیا پاس جانا بھی مشکل ہے۔ اگر کاٹ بھی کھایا تو مرنے سے پہلے وہ مجھے ماردیگا۔

بہتر یہ ہے کہ یہاں سیلی زمین پر سو رہوں۔ جب صبح کو وہ یہاں نہانے آئے تو یقین ہے۔ لکڑی سانٹھ نہ ہوگی۔ یہیں بُھگت لونگا۔ سُنا تو نے؟ ناگن! او ناگن! او ہو چلی گئی۔ اُس کو نوانڈوں کی پڑی ہوئی ہے۔ ذرا باہر نکلتی ہی نہیں۔ خیر اب تم ذرا سو رہو۔ صبح بہت دُور ہے"۔

یہ کہہ کر سانپ نے کُنڈلی ماری۔ اور مُنہ کُنڈلی کے اوپر سے ذرا سا باہر نکال کر سو گیا۔ چک چاک نے دیکھا کہ سیس ناگ کا ولیعہد آرام میں ہے۔ دل میں کہا کہ ذرا اس کی نیند اَور غافل ہو جائے۔ پھر تقدیر آزمائی کرنی چاہیئے۔ مگر یہ تو بہت موٹا ہے۔ نہ تو اس پر قفل کا داؤں چل سکیگا۔ نہ گردن مُنہ میں آئے گی۔ کیا کیا جائے۔ آؤ اس کی کھوپری چباؤ پُشت پر پنجے جم جائیں۔ اور دانت کھوپری میں گڑ جائیں تو فیصلہ ہے۔ مغز چبا کر کام تمام کر دُونگا۔ یہ سوچ کر دبے پاؤں آہستہ آہستہ سانپ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ قریب پہنچ کر ایک جست کی۔ نیولے کی جست پوری نہ ہونے پائی تھی۔ کہ سانپ کی آنکھ کُھل گئی۔ اور اُس نے پھُرتی سے سر پھرایا۔ نیولے کا نشانہ تو خطا ہوا۔ پھر بھی پھن کے قریب دانت گڑ گئے۔ مگر پُشت پر پنجے نہ جم سکے۔ سانپ کھڑا ہو گیا۔ اور نیولے کو جھٹکنا شروع کیا۔ نیولے نے گرفت ایسی بے ڈھب کی تھی۔ کہ سانپ نے بہت سر مارا۔ اور نیولے کو دے دے پٹخا۔ لیکن نیولے کے

دانت جتنے باریک ہوتے ہیں۔ اُتنے ہی مضبوط ہوتے ہیں۔ سانپ کو
اتنی تکلیف ہو رہی تھی۔ کہ اپنے بچاتے ہیں نیولے کو کاٹنا بھی بھول
گیا۔ اُس وقت کا تماشا دیکھنے کے لائق تھا۔ سانپ نیولے کو اِس طرح
جھنجوڑیاں دے رہا تھا۔ جیسے بلّی بڑے چوہے کو دیتی ہے۔ نیولے کے
چاروں ہاتھ پاؤں بیکار تھے۔ اور فقط مُنہ ہی کام دے رہا تھا۔ جس
وقت سانپ اُس کو ٹپختا تو نیولے کے پچھلے پاؤں قدرتی طور پر زمین پر
ٹک جاتے۔ اور گرنے کا صدمہ ہلکا پڑجاتا۔ جب دو منٹ برابر یہی
ہنگامہ رہا۔ تو سانپ بے آپے ہوگیا۔ اور بجائے نیولے کے پٹکنے کے
اپنے تئیں دے دے مارنا شروع کیا۔ اتفاق سے غسل خانے میں
میں کھلی۔ مہندی۔ اُبٹنہ۔ صابن وغیرہ کی پیالیاں اور جھانواں جس
طاق میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ کسی قدر نیچا تھا۔ سانپ نے کئی دفعہ
نیولے کو اُس طاق میں دے مارا۔ اور کئی دفعہ خود بھی اُس کی دُم وہاں
تک پہنچی۔ غرض جتنی چیزیں اُس میں رکھی تھیں۔ سب یکے بعد دیگرے
نیچے گر پڑیں۔ ان متواتر آوازوں سے جن کے ساتھ سانپ کی بلبلاہٹ
پھنکاریں بھی شامل تھیں۔ خاں صاحب کی آنکھ کھلی۔ بیوی کو جگایا
اور لکڑی ہاتھ میں لے کر غسل خانے کی طرف آئے۔

بیوی لمپ لئے ہوئے ساتھ ساتھ آئیں۔ خاں صاحب نے

جونہی غسل خانے کا کواڑ کھولا عجب تماشا نظر آیا۔ بیوی کی نظر جب سانپ پر پڑی ایک چیخ ماری۔ اور قریب تھا۔ کہ لمپ ہاتھ سے گر پڑے۔ مگر خاں صاحب نے جلدی سے لمپ ہاتھ سے لے لیا۔ اور اُن کو پرے ہٹایا۔ اب اس انتظار میں کھڑے ہیں۔ کہ سانپ ٹھہرے۔ تو اس کو ماروں۔ مگر وہاں تو وہ ہنگامہ ہو رہا تھا۔ کہ نظر کام نہیں کر سکتی تھی۔ ابھی سانپ دائیں پر آیا ابھی بائیں پر۔ ابھی کھڑا ہے۔ اور نیولا اس کے پھن میں لٹکا ہوا ہے۔ ابھی سانپ نیچے ہے۔ اور نیولا اوپر۔ اس خوف سے کہ مبادا لکڑی ماریں سانپ کے اور لگ جائے نیولے کے۔ تھوڑی دیر دم بخود رہے۔ تین چار منٹ کے بعد سانپ کی حرکت سست ہوئی اور پھیلنا شروع ہوا۔ نیولے کے پاؤں زمین پر ٹھہرے۔ پھر تو کیا تھا ایک طاقت وار پٹھان کی دوہتی سانپ کی کمر پہ پڑی۔ ایک آدھ۔ ایسا اور نیولا ڈرا کہیں مجھے نہ ماریں۔ سانپ کو چھوڑ کر الگ جا کھڑا ہوا۔ اسٹا لکڑیاں کھانے ہی سیس ناگ کے پاس پہنچا۔ مگر اصل یہ ہے کہ کام اس کا نیولے ہی نے تمام کر دیا تھا۔ اگر خاں صاحب نہ آتے۔ تو بھی دو منٹ کے بعد سانپ کا خاتمہ ہو جاتا۔ بیگم صاحبہ کی رنگت سفید ہو رہی تھی۔ بولنے کی طاقت نہ تھی۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ تھا۔ "کالا سانپ! اتنا بڑا! ہے ہے!!" یہ آواز تھی جو اس وقت اُن کے دل کی دھڑکن میں سے نکل

رہی تھی۔ جب سانپ ٹھنڈا ہو گیا۔ تو خاں صاحب نے اس کو لکڑی پر لٹکایا۔ اور غسل خانے سے باہر لے جا کر ماما کے ہاتھ کوڑی پر پھکوا دیا۔ پھر چپک چپک کو پیار سے بلایا۔ مگر بھائی چپک چپک کی نہ پوچھو۔ جوڑ جوڑ اُن کا ڈھیلا ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں سے چلنا تو کیا ہلنا بھی مشکل تھا۔ جھُرجھُری پر جھُرجھُری لے رہے تھے۔ مگر دل میں کہہ رہے تھے کہ سانپ کو مَیں نے مارا ہے مگر لکڑی مارنے والے کا نام ہو گا۔ خاں صاحب کے بُلانے پر بمشکل گھسٹ کر پہنچا۔ اُنھوں نے اور بیگم صاحبہ نے اُسے بہت سا پیار کیا اور اس شکریے میں کہ وہ کالے سانپ سے لڑا۔ ۸ رما ہوار اُس کے دُودھ میں اضافہ کیا۔ پھر سعید کے پلنگ پر اُس کو بٹھا کر دونو میاں بیوی سو گئے۔

جب صبح ہوئی تو چپک چپک نے اپنے تئیں بالکل اکڑا ہوا پایا لیکن اپنی فتح سے بہت خوش تھا۔ مگر ناگن کا کانٹا دل میں کھٹک رہا تھا کہ یہ کم بخت پانچ سانپوں کے برابر ہے۔ دل میں کہا کہ "آؤ چلو ذرا اُس کے انڈوں کی خبر تو لو اور دیکھو کہ ان میں سے بچّے کب نکلیں گے۔ دیکھو شکر خورہ کو کچھ خبر ہے یا نہیں"؟

جب سانپ کوڑی پر مرا ہوا دکھائی دیا تو سارے باغ کے جانوروں میں غل مچ گیا کہ سانپ مارا گیا۔ چمگادڑ نے غسل خانے میں یہ تماشا بچشمِ خود

دیکھا تھا۔ اُس نے ابابیل سے صبح ہوتے ہی کہہ دیا تھا۔ اور آپ سو گئی تھی۔ ابابیل نے باہر نکل کر شکر خورہ سے کہا۔ اور اُس نے تمام آنے جانے والوں کو کہہ دیا تھا کہ نیولے نے سانپ کو مارا ہے۔ کوّے۔ مینائیں۔ چڑیاں۔ طوطے اس طرح غل مچا رہے تھے۔ جیسے دہلی کی دھوبنیں یا سراؤں کی بھٹیاریاں لڑتے وقت مچاتی ہیں۔ مگر شکر خورہ ایک امرود کی ٹہنی پر اپنی مادہ کے ساتھ بیٹھا ہوا بھیرویں میں سانپ کا نوحہ الاپ رہا تھا۔ نیولا امرود کے نیچے آیا۔ اور شکر خورہ کو پکارنے لگا۔ مگر وہ اس کی نہ سنتا تھا۔ اور یہ نوحہ ٹہنی پر ناچ کر اور کوڑی کی طرف جہاں سانپ پڑا ہوا تھا منہ چڑا کر گا رہا تھا ؎

کس طرح بھرا کرتے تھے گلشن میں طرارے
ہے ہے مرے کالے

ہیبت سے تری باغ میں مرعوب تھے سارے
ہے ہے مرے کالے

بچے مرے اُڑنے بھی نہ پاتے تھے کہ اُن کو
کھا جاتا تھا موذی

ناگن تجھے اب دیگی گوڑی کے کنارے (دیر سے چھاتی پیٹ کر)
ہے ہے مرے کالے

چوہوں کو تو کھا جاتا تھا گھس اُن کے بلوں میں
اور جا کے چھتوں میں

برباد کیا کرتا تھا گھر چڑیوں کے سارے
ہے ہے مرے کالے

تالاب میں مینڈک بھی نہ تھے تجھ سے اماں میں
بے چارے ہمیشہ

ٹرٹر ہی کیا کرتے۔ ترے خوف کے مارے
ہے ہے مرے کالے

سب جانتا رہا گھاس میں لہرانا تمہارا		دل کر دیا پارہ
ٹھہرا نہ تماشا گلشن زری پھنکار کے مارے		ہے ہے مرے کالے
وہ دانت کہاں ہیں جو چباتے تھے ہمیشہ!		چھیوں کی دموں کو
کیوں ڈوب سویرے سے گئے پھن کے ستارے		ہے ہے مرے کالے
بے گور و کفن دیکھ لے جائینگی چیلیں!		کھا جائینگی تجھ کو
پہنچوں سے زمیں کھود کے دفناؤں ہیں پیارے (ٹہنی پڑا جاکر)		ہے ہے مرے کالے
مرغان چمن آؤ ذرا ساتھ دو میرا		آواز ملا کر
ہیں سانپ کا نوحہ پڑھوں لعنت کر و سارے (کوڑی کی طرف منہ چڑاکر) ہے ہے مرے کالے

نیولے کی دعا بڑی مشکل سے قبول ہوئی۔ نوحہ ختم ہوا۔ اور نیولے کی آواز شکر خورہ کی کان میں پہنچی۔ جونہی اُس کی نظر نیولے پر پڑی۔ طبیعت اُس وقت موزون تھی۔ کہنے لگا ؎

اے نیولے تو مرد ہے اور باپ تیرا مرد		شاباش ہے تجھ کو
ہم رہتے ہیں گلشن میں فقط تیرے سہارے		ہے ہے مرے کالے

نیولا:۔ ارے بھائی خدا کو مان۔ ذرا میری بات سن لے۔ پھر گا یا کیجیو"۔

"شکر خورہ:۔ ارے واہ نیولے! آ تیرا ڈنٹرل دوں۔ بول کیا کہتا ہے"؟

چک چاک:۔ تیری تو عقل ماری گئی ہے۔ میرے دم پر بنی ہوئی ہے آپ تانیں لگا رہے ہیں۔ بتا ناگن کدھر ہے"؟

شکرخورہ:۔ ٹری کے بِل کے پیچھے انڈے رکھتے ہیں۔ اُدھر ہی گئی ہے بھائی اللہ تیرے دانتوں کو قوّت دے۔ آج تو وہ کام کیا ہے۔ کہ کوئی کیا کرے گا ؎

گشتی تو مار را دمنوس آفریں کنند ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

چک چک:۔ کام کی بات کر۔ آدمیوں کی طرح وقت ضائع نہ کر۔ کب سے انڈے دے رکھے ہیں؟

شکرخورہ:۔ بہت دن سے۔

چک چک:۔ مجھ سے اب تک کیوں نہیں کہا؟

شکرخورہ:۔ کیوں؟ کیا اب اُس کے انڈوں پر نیت ہے؟

چک چک:۔ نہیں نہیں! تم یہ کرو کہ اُس کو بِل میں سے نکال لاؤ۔ بِل کے پاس جا کر یہ بہانہ کرو کہ میرا پر ٹوٹ گیا۔ لڑکے نے پتھر مار دیا وہ جلی ہوئی تو ہے ہی۔ اُسی وقت باہر آئے گی۔ تم آہستہ آہستہ اُڑتے ہوئے اُس کو پیچھے لگا لانا۔ مَیں اگر جاؤں گا۔ وہ مجھے دیکھ لیگی۔ پھر ہاتھ آنا مشکل ہو گا۔

شکرخورہ:۔ اب اُس کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ ناگ کو تو مار دیا۔ جلدی کیا ہے۔ پھر کسی دن مار لینا۔

شکرخوری:۔ میاں تم سمجھے نہیں! ان انڈوں میں جتنے بچے نکلینگے

اُتنے ہی ناگ چند روز میں ہو جائینگے۔ اتنا نہیں سمجھتے؟

چاپ چک نے مادہ کی عقل کی داد دی۔ اور کہا کہ" اچھا تم جاؤ۔ یہ شکر خورہ تو بیوقوف ہے۔ اِس کے سر میں ایک وقت میں فقط ایک خیال سما سکتا ہے۔ تم اس کام کو سلیقے کے ساتھ کروگی"۔ شکر خوری نے چک چک کے فرمان واجب الاذعان کی تعمیل کی۔ اور بل کے پاس جاکر رونا شروع کیا۔ کہ" ارے ظالم تیرے ہاتھ میں کیا آیا کہ میرا بازو توڑ دیا۔ اب مَیں کیونکر اُڑونگی"؟ ناگن نے شکر خوری کی آواز سُنی اُسی وقت باہر نکل آئی۔ اور کہنے لگی"۔ اچھا آپ ہیں۔ اب بولو اُستانی! اُس دن شکر خورہ نے نیولے کو میری چوٹ سے بچا دیا۔ نہیں تو میرا ناگ کیوں مرتا اب تجھ سے اُس کا بدلہ لیتی ہوں"! شکر خوری چار گز پرے اُڑ گئی۔ ناگن اُس کے پیچھے چلی۔ وہ تھوڑی دُور اَور اُڑ گئی حتیٰ کہ ناگن کو بل سے چالیس پچاس گز کے فاصلے پر دیکھ کر نیولے کو موقع ملا۔ اور سیدھا اُس کے بل میں جاکر انڈوں کو کچلنا شروع کر دیا۔ جو بچّہ انڈے میں سے نکلا اُس کا وہیں خاتمہ کر دیا۔ فقط تین انڈے رہ گئے تھے کہ شکر خوری کی آواز سُنی"۔ ارے نیولے دوڑ ناگن مجھے دیکھ کر سیدھی آدمیوں کے گھونسلے میں چلی گئی ہے۔ اُس کی نیت میں فساد معلوم ہوتا ہے۔ جلدی چل"۔ نیولے نے دو انڈے جلدی سے کچلے اور تیسرا منہ میں لے کر تیر کی طرح

چلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ میاں بیوی اور بچہ یعنی اُس کا دوست سعید تینوں ایک چارپائی پر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ناگن پلنگ کے پاس کھڑی ہوئی جھوم رہی ہے۔ اور حملے کے واسطے تیار ہے۔ خاں صاحب کے پاس اس وقت لکڑی بھی نہیں ہے۔ حیران ہیں کہ کیا کریں۔ بے حس وحرکت بیٹھے ہوئے ہیں۔ نوکریں باورچیخانے میں غل مچا رہی ہیں کہ "ہے ہے سانپ! ہے ہے سانپ" خاں صاحب ہتیرا کہہ رہے ہیں۔ کہ لکڑی پلنگ پر پھینک دو۔ مگر کوئی نہیں سنتا۔ ناگن سعید کی طرف بڑھی تھی۔ کہ بیگم صاحبہ چیخ کر بیہوش ہوگئیں۔ اور گرتی گرتی ناگن اور سعید کے بیچ میں چارپائی پر گریں۔ ناگن نے دل میں کہا۔ کہ "مجھے تو تینوں کا فیصلہ کرنا ہے۔ پہلے یہ آدمی کی مادہ ہی سہی" پھن پھیلا کر اور مُنہ کھول کر چاہتی تھی کہ اُس جاں نثار ماں پر منہ مارے۔ مگر چپ چپک انڈا مُنہ میں لئے ہوئے امداد غیبی کی طرح وقت پر آ پہنچا۔ اور دُور سے للکارا "خبردار میں آ گیا ہوں" ناگن نیولے کی آواز سُن کر اُدھر پلٹی اور تلخی سے بولی "کہ آ جا موئے پہلے تو ہی آ جا"

نیولے نے کہا "تیرے بچے نکل آئے ہیں۔ اور اماں اماں کر کے رو رہے ہیں۔ اُن کی تو خبر لے۔ ایک انڈا میں بھی لے آیا ہوں۔ تجھے دیکھ کر ابھی پھینک دیا۔ دیکھ یہ رہا۔ نیولے نے انڈا دو ٹوٹا نگوں کے بیچ

میں رکھ لیا تھا۔ اور اس طرح کھڑا ہو گیا۔ کہ اگر ناگن اُس پر حملہ کرنا چاہیئے
تو ایک ضرب میں انڈے کا کچُلا کر دے۔ اور پھر اُس سے بُھگت لے۔
ناگن بیتاب ہو کر نیولے کی طرف بڑھی۔ اور کہنے لگی "میرا انڈا مجھے دیدے"
نیولے نے کہا "یہی رہ گیا ہے۔ باقی کو لال چیونٹیاں کھا رہی ہیں۔ بول
اس کے کیا دام دیگی؟" یہ کہہ کر نیولے نے ناچنا شروع کیا۔ اس طرح
کہ انڈا چاروں پاؤں کے بیچ میں رہا۔ ناگن بیتاب تھی کہ کسی طرح
انڈا ہاتھ لگ جائے۔ چارپائی کی طرف سے اُدھر مڑی۔ اور نیولے
کے آگے سر جھکا کر گڑگڑانے لگی۔ اور قسم کھائی کہ "اپنا انڈا لے جاؤنگی اور
کبھی اس گھر کا رُخ نہ کرونگی"۔ نیولے نے کہا "پاگل ہوگئی ہے رنڈیا۔
چلی جاؤنگی چلی جاؤنگی لگائی ہے۔ نر آدمی لکڑی لینے گیا ہے۔ لڑنا
ہے تو لڑ لے۔ دل کا ارمان نکل جائیگا۔ ورنہ ناگ کے پاس کوڑی پر
تھوڑی دیر میں پہنچتی ہے چل ہوشیار"۔ یہ کہہ کر نیولے نے ناگن کے
گرد چکر باندھا۔ ناگن نے بھی اپنے گرد پھرنا شروع کیا۔ جب ناگن
چوٹ کرتی۔ نیولا جست کرکے پیچھے ہٹ جاتا۔ اور چوٹ خالی جاتی۔
مُنہ اُس کا زمین پر گرتا۔ ناگن پھر سمٹ جاتی۔ اور نئے حملے کے لئے
پھر کھڑی ہو جاتی۔ نیولا یہ موقع دیکھ رہا تھا۔ کہ کسی طرح اُس کی پُشت
پر پہنچوں۔ مگر ناگن کیا آنے دیتی تھی؟ خاں صاحب اس کُشتی کی سیر

میں ایسے محو ہوئے۔ کہ بیوی کی بیہوشی کو بھی بھول گئے۔ دل میں آئی۔ کہ ناگن غضب کی تیز ہے۔ لکڑی کی چوٹ کا موقع نہیں۔ بندوق سے کام لینا چاہئے۔ دوڑ کر کمرے میں بندوق لینے گئے۔ اُن کے آتے آتے ناگن اپنا داؤ کر گئی۔ نیولا ناگن کو پکڑ لانے کی فکر میں ایسا مستغرق تھا کہ انڈے کا خیال بھی اُسے نہ رہا۔ ناگن لڑتے لڑتے انڈے کے پاس پہنچی۔ ایک مرتبہ نیولے پر جست کی۔ نیولا پیچھے ہٹا۔ چوٹ کا فقط بھلاوا تھا۔ نیولا سنبھلتا رہا۔ اُس نے پلٹ کر انڈا منہ میں لیا۔ اور تیر کی طرح برآمدے میں سے نکل کر باغ میں سے ہوتی ہوئی سیدھی بل کی طرف بھاگی۔ نیولا اُس کے تعاقب میں چلا۔ مگر سانپ کی دوڑ خاصکر جب وہ ڈر کر بھاگتا ہے۔ بلا کی تیز ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک کالی بجلی باغ میں کوند گئی۔ جب بل پر پہنچی تو وہاں اَور ہی سامان دیکھا۔ لال چیونٹیاں اُس کے بچوں کی لاشیں گھسیٹتی لا رہی تھیں۔ ناگن کا دل یہ دیکھ کر بیٹھ گیا۔ پھر بھی تھوڑی سی پس وپیش کے بعد بل میں گھس گئی۔ پس وپیش ایسے موقع پر نقصان دیتی ہے۔ نیولا آپہنچا۔ اور ناگن کی دُم جو بل کے باہر رہ گئی تھی پکڑ لی۔ اب ناگن اندر سے زور کر رہی ہے۔ اور نیولے نے باہر پنجے جما دئے ہیں۔ کشاکش ہو رہی ہے۔ چیونٹیاں جو اس وقت سارے بل میں بھری ہوئی تھیں۔ اپنی فوج کو مرتا ہوا دیکھ کر چلّائیں۔ کہ ارے بھائی

نیولے ہم مری جاتی ہیں۔ ناگن کو چھوڑ دے۔ دُم میں اُس کی زخم تو آ ہی گیا۔ اب ہم اس سے بھی سمجھ لینگی نیولے کی سمجھ میں کچھ آ گئی۔ ناگن کو چھوڑ بل کے منہ پر جا بیٹھا۔ ناگن کی دم جو ہیں اندر داخل ہوئی۔ زخم پر چیونٹیاں گرنی شروع ہوئیں۔ گھبرا کر باہر نکلی۔ منہ کا نکلنا تھا۔ کہ نیولے نے گدی پا لی پھر وُہی رات والا نقشہ پٹخنیوں کا ہوا۔ مگر سانپن پہلے ہی بے حال ہو رہی تھی۔ سانپ مر چکا تھا۔ بچے سب ضائع ہو گئے تھے۔ ادھر زخم پر چیونٹیاں لگ گئی تھیں۔ تھوڑی سی دیر میں ٹھنڈی ہو گئی۔ نیولے نے اندر گھس کر باقیماندہ انڈوں کو بھی کچل کر باغ کو سیں ناگ کی نسل سے پاک کیا۔ ہمارا ہیرو اب تھک چکا تھا۔ رات کو ناگ سے پنجہ آزمائی ہوئی تھی۔ دن کو ناگن سے جھڑپ ہوئی۔ فکر کے مارے رات سے نیند نہیں آئی تھی۔ اب اطمینان حاصل کر کے ارادہ کیا کہ سونا چاہئے۔ پہلے ارنڈ کے درخت کے نیچے ریت کا غسل کیا۔ پھر تھوڑی سی چھینکیں لے کے وہیں سو رہا۔ خان صاحب بندوق لے کر سارے باغ میں چپ چپ اور ناگن کو ڈھونڈتے پھرے کہیں پتہ نہ لگا۔ پھر بیوی کی حالت نازک دیکھ کر اُن کی دوا درمن میں لگ گئے۔ جب بیوی کو ہوش آیا۔ تو پہلے سعید کو پوچھا۔ اور اُس کو اپنے سامنے موجود پا کر نیولے کا حال دریافت کیا۔ جب لڑائی کی حقیقت سُن لی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ سانپن انڈا لے کر آگے آگے بھاگی تھی۔ اور

چک چاک اُس کے پیچھے پیچھے۔ تو اطمینان ہوا اور اُٹھ کر بیٹھیں۔ اتنے میں ایک ماما نے آ کر ناگن کے مرنے کی خبر دی۔ گھر میں خوشیاں ہونے لگیں۔ اُسی وقت کنبے میں ڈولیاں گئیں۔ باغ میں جھولا پڑا۔ کڑھائی چڑھی۔ ڈومنیاں آئیں۔ جو بیوی آئی تھیں۔ وہ قصہ سن کر حیران ہوتی تھیں۔ اور نیولے کو دیکھنے کی خواہش کرتی تھیں۔ نیولے کی ڈھونڈھیا مچی مگر اتفاق سے ارنڈ کا درخت ایک ایسے گوشے میں تھا۔ کہ وہاں کسی کا گزر نہ ہوتا تھا۔ نیولا خوب سویا۔ جب جاگا تو باغ میں غیر معمولی ہجوم آدمیوں کا دیکھا۔ گھر کے قریب آنے سے گھبرایا۔ چبوترے کے نیچے موری میں گھس گیا۔ سعید اُس کو بہت دیر سے ڈھونڈھ رہا تھا۔ اُس کی نظر جا پڑی۔ اُسی وقت دودھ کا پیالہ لے کر موری کے پاس گیا۔ اور چک چک کہہ کر آواز دی۔ چک چاک نے باہر آ کر دودھ پیا۔ اور سعید کے کندھے پر چڑھ گیا۔ سعید اُسے اپنی ماں کے پاس لے گیا۔ بیگم صاحبہ نے سعید کی بلائیں لیں۔ اور نیولے کو بڑی محبت سے پیار کیا۔ اور سونے کا پٹہ اُس کے واسطے بننے کا حکم دیا۔ باقی بیویوں نے دور ہی سے اُس کی زیارت کی۔ اور بیگم صاحبہ کو چک چک کی فتح پر مبارکباد دی۔

آدمیوں میں تو یہ خوشیاں ہو رہی تھیں۔ جانوروں نے ایک

مشاعرہ نیولے کی فتح کی خوشی میں منعقد کیا۔ جتنے جانور باغ میں رہتے تھے۔ بسیرے کے وقت سے کچھ پہلے مولسری کے اوپر اور نیچے حسب مراتب جمع ہوئے۔ غوک شاہ المتخلص بہ مینڈک کی شاعری کی دھوم تھی وہ میر مشاعرہ تجویز ہوئے۔ اور یہ قرار پایا۔ کہ چند رُباعیات فی البدیہہ ہو جائیں۔ پھر بعد شکریہ صاحب صدر انجمن جلسہ برخاست ہو۔ پہلے شکر خورہ سے درخواست کی گئی کہ جب تک میر مشاعرہ آئیں۔ وہ حمد باری کا نغمہ اور چک چاک کی تعریف کے اشعار جو اُس نے تیار کئے ہیں۔ سنائے۔ چنانچہ شکر خورہ مولسری پر سے اُترا۔ اور گلاب کے درخت پر بیٹھ کر بولا۔ ٹہنی ہل رہی تھی۔ اور وہ کہہ رہا تھا:۔

نغمۂ شکر خورہ

حمد باری و تعریف چک چک

طائر میں قوم کا ہوں۔ شکر خورہ نام ہے ۔۔۔ امرود کے درخت پہ میرا قیام ہے

صیاد کا ہے خطرہ نہ کچھ خوفِ دام ہے ۔۔۔ گلگشتِ باغ شغل ہے گانے سے کام ہے

سیتا ہوں اور گاتا ہوں دو کام کرتا ہوں

درزی کو اور گویئے کو میں نام دھرتا ہوں

جب دانے دُنکے سے مرا بھرتا ہے پیٹ بھر ۔۔۔ اُس وقت بیٹھ جاتا ہوں میں ایک شاخ پر

کرتا ہوں اس کا شکر۔ دیا جس نے مجھ کو گھر
جو ایک مُشتِ پر کی بھی لیتا ہے وہ خبر
لے کر زمیں سے تا بفلک جس کا راج ہے
رازق ہے سب کا۔ اپنی بنائے کی لاج ہے

گاتا ہوں اس کی حمد جو پرور دگار ہے
موت اور زیست کا اُسے کل اختیار ہے
بلبل فدا ہے اس پہ گل اس پر نثار ہے
سچ پوچھو تو چمن میں اسی کی بہار ہے
مَیں ایک مُشتِ پر ہوں بھلا کیا ہے مُنہ مرا
جو ایک شمۂ حمد کا بھی کر سکوں ادا

دو پتوں کو ملا کے مکاں اک بناتا ہوں
ٹھنڈی ہوا کا لُطف فقط مَیں اُٹھاتا ہوں
شاہد کوئی نہ ہو تو صبا کو سُناتا ہوں
جو کچھ کہ گاتا ہوں وہ تری حمد گاتا ہوں
جاتی ہیں میری تانیں اُڑی آسمان پر
کُروبی لوٹ جاتے ہیں اِک ایک تان پر

اے انڈوں والی مادہ! مرے ساتھ بَل کے گا
دو چار تانیں بادِ صبا کو بھی دے سُنا
سورج نکلنے میں تو ہے عرصہ بہت پڑا
یہ وقت خاص ہوتا ہے تسبیح و ذکر کا
پَو پھٹ رہی ہے سامنے مالک کی یاد کر
دن کے نکلتے ہی وہ ترا دیگا پیٹ بھر

گلشن میں گا کے تو نے لیے پر نے ہیں بے شمار
بادِ صبا مگر مرے گانے پہ ہے نثار
آتا نہیں کبھی دلِ مشتاق کو قرار
گلشن میں ہو نہ جائے وہ جبتک نہ ایک بار

ہر صبح گانا سننے کو میرا وہ آتی ہے
اک جوگیا کی تان میں وہ لوٹ جاتی ہے

امّا بعد

دل باغ باغ ہو گیا موت سے سانپ کے — وان رات ورنہ کٹتے تھے یہاں کانپ کانپ کے
کھا جاتا تھا وہ نظروں ہی میں بھانپ بھانپ کے — مرجاتے تھے پرند غریب ہانپ ہانپ کے

طاعون تھی۔ وبا تھی۔ جو کچھ تھی وہ مر گئی
گویا یہ باغ میں سے قضا کال کر گئی

جو خونی بیٹھا رہتا تھا بیخ گلاب میں — کوے کو مات کرتا تھا جو آب و تاب میں
کر رکھی جس نے جان تھی سب کی عذاب میں — مٹی میں مل گیا وہ جہانِ خراب میں

وہ کالی بجلی باغ میں جو کوندا کرتی تھی
ایک چیل آج اس سے ہی پیٹ اپنا بھرتی تھی

وہ کون ہے کہ جس نے کیا ہم سے یہ سلوک — اللہ اسے شکار کھلائے بڑھائے بھوک
رطب اللسان ہیں جس کی ثنا میں تمام شوک — کوئل بھی دعا دے رہی ہے اس کی کوک کوک

اس گلشنِ فرنگ کا جو نیا پیرڈس ہے
وہ ہی کا لارڈ منٹو وہ اس مانوس ہے

وہ چاک چابک دلیر بہادر نژاد ہے — سانپوں کی ساری نسل کا وہ استاد ہے
دل کا ہے شیر لائقِ تحسین و داد ہے — دانتوں پر اس کے سارے پرندوں کا صاد ہے

کس زور سے چبا گیا وہ سر کو سانپ کے
ناگن بھی روتی رہ گئی منہ پھن میں ڈھانپ کے

آنکھیں ہیں اُس کی شعلۂ جوالہ کی مثال
اور دانت ہاتھی دانت کے بے شبہ قیل و قال

ناگ اس سے کیا لڑے گا کہاں اتنی ہے مجال
جو کینچلی کو نوچ کے پھر کھینچتا ہے کھال

جو داؤ کر کے قتل کا سر کو چباتا ہے
ملکِ عدم میں سانپ کی بابی بناتا ہے

اے ساکنانِ باغ! کرو شکریہ ادا
چک چاک نے سب کا ناگ سے پیچھا چھڑا دیا

ہیرو ہے پیٹریٹ ہے۔ خدا نے کرم کیا
پھر و نہیں بردبس کو یہاں زندہ کر دیا

چک چاک کے دم کے واسطے منّت مناؤ تم
پھیلا کے دُم کو چونچ کو اپنی جھکاؤ تم

شکر خورے کی نظم کے ختم ہوتے ہوتے سب جانور جمع ہو گئے۔ میر مشاعرہ بھی آ پہنچے۔ اور اُن کے اشارے کے مطابق اب وہ نظمیں پڑھی جانی شروع ہوئیں۔ جو خاص اس موقع کے لئے لکھی گئی تھیں۔ چنانچہ شکر خورے نے پھر اپنی اسی ہلتی ٹہنی پر سے یہ رباعی پڑھی ؎

آباد ہوئی نیولے سے جب گلشن
آسودہ دلوں میں ہوئے مرغانِ چمن

رہتا تھا بہت سانپ کا خطرہ اُن کو
ڈگدا ہیں گزارتے تھے سارا سادن

شکر خورہ چُپ ہوا ہی تھا۔ کہ شکر خوری نے اپنے نر کا زمزمہ

کے پیڑ پر سے جواب دیا ۔ ؎

برسات میں جب دبتی تھی انڈے ناگن
بڑھ جاتا تھا اور اس کا بیہودہ پن

اساڑھ کے لگتے ہی اچھلنے لگتی
کہتی پھرتی کہ لو! وہ آیا ساون

شاما مولسری سے زمین پر اُتری اور دُم ہلا ہلا کر بولی ؎

جب لگنے کیاری میں تُری اور بینگن
اور پھول پھلوں سے لہلہاتے گلشن

اُس وقت اُترنا تھا زمیں پر مشکل
پتوں میں چھپے رہتے تھے ناگ اور ناگن

ماموں کالے المتخلص بہ زاغ دہلوی بھانجے کی فتح سے خوشی تو تھے
مگر کھانے پینے کی چیزیں اُس روز باغ میں بہت کثرت سے نظر آئیں
اس لئے سوائے ماکولات کے کوئی اَور مضمون خیال میں نہ آیا
فرمانے لگے ؎

جب پڑنے لگا کڑاہیوں میں روغن
میدا کہیں کونڈوں میں کہیں ہے بیسن

بننے لگے گلگلے ۔ سہال اور پھلکے
اس وقت یہ ہم سمجھے کہ آیا ساون

چھچھوندر دن کو کبھی نہ نکلتی ۔ مگر اس روز جانوروں کی قسمتی
سے آنکھیں بند کرکے رستہ ٹٹولتی چلی آئی ۔ اور منہ اونچا کر کے
کہنے لگی ؎

ظاہر میں ہوں میں گرچہ گرفتارِ محن
شب گرد ہوں اندھی بھی ہوں پر دل ہے مگن

بر وقت خبر نیولے کو میں نے دی
ورنہ یہ چمن تھا اور ناگ اور ناگن

چمگادڑ کو مینا ٹھونگیں مار کر نکال لائی تھی - اور اس کی آسائش کے واسطے مولسری کے کھوکھلے تنے میں اس کو جگہ دے دی تھی وُہیں سے لٹکی لٹکی جس طرح اندھے مناجات پڑھتے ہیں بولی ؎

بھاتا ہے مجھے تمہارا گلشن نہ چمن — لٹکی رہی جس جگہ وہی ہے گلشن
رہتی ہوں پڑوس میں ابابیل کے میں — کچُلا تھا جہاں نیولے نے سانپ کا پھن

ابابیل نے اپنے ہمسائے چمگادڑ کی داد دی - اور ایک چکّر مولسری کے گرد لگا کر کہا ؎

میں طائرِ خوشخبر ہوں مرغانِ چمن — اور کہنہ عمارت ہے میرا مسکن
میں نے ہی سُنایا تھا تمہیں یہ مژدہ — چک چک کے طفیل ہو گئی رنڈیا ناگن

اب میر مشاعرہ پھُدکتے ہوئے تشریف لائے - اور لمبا سا سانس لے کر کالی کالی آنکھیں باہر نکالیں - اور نکھادیں کہنا شروع کیا ؎

جب ناگ سے عاجز ہوئے مرغانِ چمن — چک چک کی جوانی نے دکھایا جوبن
دانت اس کے گئے ناگ کے سر میں بیدھے — مانندِ سنانِ گیو در جنگِ پشن

ولہ

آمادۂ انتقام آئی ناگن ! — تھی نسل میاں غوک کی وہ بھی دشمن
چک چک نے اسے کچلیوں سے یوں بیدھا — مانندِ سنانِ گیو در جنگِ پشن

(چیرز) چیں چیں۔ ٹیں ٹیں۔ چُوں چُوں۔ کگڑوں کوں۔
ٹر ٹر ٹر ٹر وغیرہ +

بَینا نے گوری کی ایک تان لگائی۔ اور کہا "اُڑجا ارے
پکھیرو۔ دن تورہ گیا تھوڑا" +

پُھر پُھر پُھر۔ فقط

تمام شد

بچّوں کا ہفتہ وار اخبار

پھول

تمام ہندوستان بھر میں بچّوں کا یہی ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔

اس میں بہت اچھی اچھی کہانیاں معلومات بڑھانے والے مضمون۔ مزیدار لطیفے اور پاکیزہ نظمیں چھپتی ہیں۔ سرکار بھی اس کی بہت قدر کرتی ہے چنانچہ پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی اس کے ہزاروں پرچے خرید کر پرائمری سکولوں میں بھجواتی ہے اور بچے اسے پڑھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ اچھے کاغذ پر موٹے حروف میں بہت خوش نما چھپتا ہے نمونہ مفت منگا کر دیکھو قیمت سالانہ صرف ساڑھے تین روپے۔

ملنے کا پتہ

مینیجر اخبار پھول

۱۹۵ - ریلوے روڈ۔ لاہور

ہنسی کی کتاب

گُدگُدی

بازار میں بہتیری لطیفوں کی کتابیں بکتی ہیں مگر وہ اس قابل نہیں
ہوتیں کہ بچے اُن کو پڑھیں اس لئے ہم نے پھول کی پرانی جلدوں میں سے
بہت اچھے اچھے لطیفے اور ہنسی کی کہانیاں چھانٹ کر ایک کتاب بنائی ہے
ہر ایک لطیفہ اور کہانی ایسی ہے کہ پڑھ کر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل
پڑ جاتے ہیں اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کی قیمت چھ آنے
ہے اور دوسرے کی دس آنے۔ ضرور منگا کر پڑھو۔

ملنے کا پتہ

دفتر اخبار پھول ۱۹۵ ریلوے روڈ لاہور

بچّوں کے لئے مفید کتابیں

پھول باغ۔ بچّوں کے لئے نہایت ہی عمدہ نظموں کا مجموعہ۔ ۹ر

پھولوں کا ہار۔ بچّوں کے لئے نہایت دلچسپ کہانیاں ۵ر

تاج پھول۔ بچّوں کے لئے نہایت مفید اخلاقی سبق ۲ر

تین بھائیوں کی کہانی۔ تین بھائیوں کا نہایت دلچسپ قصّہ ۴ر

تین بہنوں کی کہانی۔ باہمی حسد اور بھائی بہنوں کی محبت کا قصّہ ۳ر

دلچسپ کہانیاں۔ مزے دار کہانیاں۔ باتصویر ۶ر

سلیم کی کہانی۔ ایک غریب مگر باہمت لڑکے کا قصّہ ۲ر

سمندری شہزادی۔ وفادار جل مانس شہزادی کا دلچسپ اور دردناک قصّہ ۲ر

عزم بالجزم۔ ارادے کی مضبوطی کے متعلق دلچسپ قصّہ ۲ر

معجزہ آلِ نبیؐ۔ حضرت مولا علیؓ کی سخاوت کا قصّہ (نظم میں) ۰ر

پیٹو نوجوان کا قصّہ۔ پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ۴ر

چڑیا خانہ حصّہ اوّل۔ معمولی چڑیا سے لیکر ہماتک کی دلچسپ کہانیاں ۶ر

چڑیا خانہ حصّہ دوم۔ بھیڑ سے لیکر ہاتھی شتر تک کے قصّے ۱۰ر

چوہے بلّی نامہ۔ چوہوں بلّیوں کی لڑائی نظم باتصویر ۱ر

ملنے کا پتہ:۔ دفتر اخبار پھول لاہور